1

میرے شیخ و مرشد مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مختصر سوانح حیات

یعنی حضرت مولانا کی زندگی کے مختصر حالات، آپ کا مقام و مرتبہ، آپ کی شخصیت وجامعیت، راقم پر حضرت مولانا کی شفقتیں، محبتیں اور عنایات وتوجہات، نیز اس ناکارہ کے نام آپ کے مکتوبات اور بندہ کی تصنیفات پر حضرت والا کے مقدمات اور امت کے مختلف طبقات کے نام آپ کے وصایا وہدایات کا جامع تذکرہ، تاریخی دستاویز اور ایک علمی مرقع۔

تالیف

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ مطبوعات مرکز احیاء الفکر الاسلامی............(۴۴)

نام کتاب: میرے شیخ و مرشد مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی مختصر سوانح حیات

تالیف: مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی

صفحات: ۱۲۶/

تعداد: ۱۱۰۰

قیمت: ۵۰/روپئے

باہتمام: عبد الستار عزیزی

سنہ اشاعت........................۲۰۱۶ء مطابق ۱۴۳۷ھ

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکر الاسلامی

ناشر

دار البحوث والنشر

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058, 09719639955

Email. masood_azizinadwi@yahoo.co.in www.mifiin.org

ملنے کے پتے

☆ دار الکتاب، دیوبند، سہارنپور (یوپی) ☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند سہارنپور

☆ مکتبہ ابوالحسن، محلّہ مفتی سہارنپور ☆ مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

فہرست مضامین

مقدمہ: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ---------- ۱۰

تقریظ: مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ---------- ۱۲

عرض مؤلف: محمد مسعود عزیزی ندوی ---------- ۱۶

پہلا باب: میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام

تمہید ---------- ۱۹

مولانا کی پیدائش اوران کا خاندان ---------- ۲۰

تعلیم وتربیت اوراساتذہ کرام ---------- ۲۱

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد تقرر ---------- ۲۲

رشتۂ ازدواج ---------- ۲۳

تعلیم وتدریس میں حضرت مولانا کی دلسوزی اورمحبت ---------- //

دعوتی واصلاحی کوششوں کا آغاز ---------- ۲۴

بزرگوں سے اجازت وخلافت ---------- ۲۵

ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم ---------- ۲۶

ندوۃ العلماء کی نظامت ---------- //

تصنیفات وتالیفات ---------- ۲۷

ملک وبیرون ملک کے دعوتی اسفار ---------- //

مختلف اداروں کی صدارت وسرپرستی ---------- ۲۸

آپ کے اصلاحی ودعوتی اورتجدیدی کارنامے ---------- //

حضرت مولانا کی مقبولیت کا راز ---------- ۳۱

امتیازات وخصوصیات ---------- ۳۲

حضرت مولانا کی شخصیت میں جامعیت ---------- ۳۳

حضرت مولانا اکابرین امت کی نظر میں ---------- ۳۴

دوسرا باب: راقم سطور پرحضرت کی شفقتیں وعنایات

حضرت مولانا کی محبتیں ---------- ۳۶

حضرت مولانا سے بیعت ---------- ۳۷

حضرت مولانا کی امامت کی سعادت ---------- //

حضرت مولانا نے راقم کا نکاح پڑھایا ---------- //

نکاح کی تاریخی حیثیت ---------- ۳۸

کوئی دیکھے نہ دیکھے مگر اللہ دیکھ رہا ہے ---------- ۳۹

خطبہ نکاح ---------- //

نکاح تمہارا ہوااور مبارکبادیاں ہمیں مل رہی ہیں ---------- ۴۱

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ---------- ۴۲

راقم کی کتابوں پر مقدمے ---------- ۴۴

حضرت مولانا سے حدیث کی سند اوراجازت ---------- //

ایک مقالہ لکھنے پر حضرت کی طرف سے انعام ---------- ۴۵

حضرت مولانا کی وفات ---------- ۴۶

تیسرا باب: راقم سطور کے نام حضرت کے مکتوبات

تمہید ---------- ۵۰

مکتوب نمبر(۱) ---------- ۵۱

مکتوب نمبر(۲) ---------- ۵۲

مکتوب نمبر(۳) ---------- ۵۳

مکتوب نمبر(۴) ---------- ۵۴

مکتوب نمبر(۵) ---------- ۵۵

مکتوب نمبر(۶) ---------- ۵۶

مکتوب نمبر(۷) ---------- ۵۷

مکتوب نمبر(۸) ---------- ۵۸

مکتوب نمبر(۹) ---------- ۵۹

مکتوب نمبر(۱۰) ---------- ۶۰

مکتوب نمبر(۱۱) ---------- ۶۱

حضرت کی خصوصی توجہ اور شفقت ---------- ۶۳

چوتھا باب: راقم کی کتابوں پر حضرت مفکر اسلام کے مقدمات

تمہید ---------- ۶۵

مقدمہ بر مختصر تجوید القرآن ---------- //

مقدمہ بر بچوں کی تمرین التجوید ---------- ۶۶

مقدمہ بر حیات عبد الرشید ---------- ۶۸

مقدمہ بر سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ---------- ۷۲

مقدمہ بر تذکرہ حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی ---------- ۷۵

مقدمہ بر ریاض البیان فی تجوید القرآن ---------- ۷۸

مقدمہ بر الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا ---------- ۸۲

مقدمہ بر التدخین بین الشرع والطیب ---------- ۸۳

پانچواں باب: وصایا حضرت مفکر اسلام

تمہید ---------- ۸۶

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنی اولاد سے سوال ---------- //

پیدا کرنا بھی اسی کا کام اور نظام چلانا بھی اسی کا کام ---------- ۸۷

ملک کے تمام باشندوں کو ہدایات ---------- //

متوسلین ومسترشدین کو ہدایت ومشورے ---------- ۸۹

ولایت کا راستہ ---------- //

سیرت پاک کا مطالعہ ---------- ۹۰

تہجد کی پابندی ---------- //

بزرگوں کے حالات کا مطالعہ ---------- //

دینی چیزوں کا احترام ---------- ۹۱

سنت کے مطابق کام کرنے کی کوشش کریں ---------- //

سلسلہ میں داخل ہونیوالوں اور ہونے والیوں کیلئے ہدایات ومشورے ---------- ۹۲

طالبان علوم نبوت کو وصیتیں ---------- ۹۳

اخلاص واختصاص پیدا کریں! ---------- ۹۴

اس وقت زمانہ کو مردان کار کی ضرورت ہے ---------------------------- ۹۴
یہاں کا پیغام توحید واتباع سنت ---------------------------- ۹۶
پڑھنے میں اپنے رب کی مرضیات معلوم کرنے کی نیت ہو ---------------------------- //
جذبہ تشکر کا روحانی ترقی میں بڑا دخل ---------------------------- ۹۷
حالات حاضرہ سے متعلق طلبہ عزیز کے لئے چار باتیں ---------------------------- //
چار چیزیں طلبہ کی ذات سے متعلق ---------------------------- ۹۹
طلبہ حدیث کے لئے وصیتیں ---------------------------- ۱۰۱
ایک طالب علم کا عبرت آموز واقعہ ---------------------------- //
امام مالک کے ایک شاگرد کا امتیاز ---------------------------- ۱۰۲
کتابوں کی ترتیب ---------------------------- //
طالب علم کے بعض ضروری آداب ---------------------------- //
علم ودعوت کے کام سے وابستہ لوگوں کو وصیتیں ---------------------------- ۱۰۴
کسی زبان کی تحصیل میں سب سے طاقتور محرک دینی اور روحانی ہے -------- //
عربی زبان کا مزاج نبوی، ایمانی اور دعوتی ہے ---------------------------- ۱۰۵
بنگلہ زبان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیجئے ---------------------------- //
عوام آپ کے اثر سے نکلنے نہ پائیں ---------------------------- ۱۰۶
یہ ثابت کریں کہ اسلام زندگی کا نہ صرف ساتھ دے سکتا ہے بلکہ رہنمائی کرسکتا ہے --- //
دین وملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہئے ---------------------------- ۱۰۷
جتنا بھی ہو سکے ایثار سے کام لیں ---------------------------- //
آپ کے اندر حیات، حرکت اور حرارت ہونی چاہئے ---------------------------- ۱۰۸

ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب ---------------------------- ۱۰۸
عقیدۂ توحید راسخ کرنے میں قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ---------- //
صحیح خوشگوار کامیاب زندگی گزارنے کی بنیادی شرطیں ---------------------------- ۱۰۹
نامی گرامی خاندانوں سے انتساب رکھنے والوں کو وصیتیں ---------------------------- ۱۱۰
دین کی ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا ---------------------------- //
شرفاء کی بستیوں میں فلاکت ---------------------------- ۱۱۱
دین وشریعت کی قدر اور اس کے نتائج ---------------------------- //
تین زریں ہدایات ---------------------------- ۱۱۲
آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ---------------------------- ۱۱۳
حضرت مولانا کی وصیتیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ---------- //
زندگی گزارنے کا بہترین دستور العمل ---------------------------- ۱۱۴
فرائض کی پابندی ---------------------------- //
روزہ کھولنے میں مزہ آتا ہے ---------------------------- ۱۱۶
اپنے تمام معمولات میں اللہ کی رضا کی نیت رکھے ---------------------------- //
کوئی کام اللہ کی رضا کی نیت کے بغیر نہیں ---------------------------- ۱۱۷
ہر کام میں اللہ کی طرف دھیان ہونا چاہئے ---------------------------- ۱۱۸
ڈاکٹروں اور معالجوں کو وصیت ---------------------------- ۱۱۹
شفا دینے والا اللہ ہے ---------------------------- ۱۲۰
مذہب کی تفریق نہ کریں ---------------------------- ۱۲۱
خواتین زیادہ خدمت کرسکتی ہیں ---------------------------- //

ساکنین حرم وزائرین بیت اللہ کو وصیتیں ---------------------------- ۱۲۱

مکہ کا دائمی پیغام چند اجزاء پر مشتمل ---------------------------- ۱۲۲

توحید خالص کی دعوت ---------------------------- //

عبادتِ دائمی ---------------------------- //

خالق ارباب پر توکل ---------------------------- ۱۲۳

بلد امین کے رہنے والوں کا امتیاز اور فخر ---------------------------- //

اسلام کی وکالت قابل مواخذہ جرم ---------------------------- ۱۲۴

نوجوان نسل میں بیداری ---------------------------- ۱۲۵

کچھ مستبعد نہیں کہ یہ صدی اسلامی صدی کہلائے ---------------------------- //

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام علىٰ أشرف الأنبياء و خاتم النبيين سيدنا محمد ، و علىٰ آله و صحبه أجمعين ، أما بعد :

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک عہد ساز اور ہمہ جہت شخصیت تھی۔ انھوں نے مختلف دائرۂ عمل میں کام کیا۔ تعلیم، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتحقیق، فکرِ اسلامی، توجیہ وارشاد، تزکیہ وتربیتِ نفس، اصلاحِ عوام، اصحابِ اقتدار کو نصیحت اوراس کی کوشش کہ کس طرح خیر اور ایمان کرسی والوں تک پہنچے۔ عوام کی اصلاح کے لیے جگہ جگہ شہروں اور گاؤوں کے سفر اور دورے کیے اور تقریر وتحریر، افہام وتفہیم اور مشاورت کے طریقوں سے جو ان کے دائرے اور اختیار میں تھے، کام انجام دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان اعلیٰ مناصب تک پہنچایا اور وہ ذرائع و وسائل عطا کیے جس سے وہ بااختیار اور بااقتدار اشخاص تک آسانی سے پہنچ سکتے تھے اور وہ لوگ ان کی شخصیت کے احترام میں ان کی بات کو توجہ سے لیتے تھے۔

ان کا ایک بڑا وصف یہ تھا کہ وہ اپنے چھوٹوں اور خوردوں کے ساتھ بھی ایسی اپنائیت سے پیش آتے کہ یہ محسوس ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ انھیں یہ اعلیٰ مواقع حاصل ہیں۔ چنانچہ طلبہ میں ان کے سامنے بہت سہولت سے بات رکھتے اور طلبہ ان سے دینی اور علمی فائدہ حاصل

کر لیتے تھے، انھیں میں عزیز گرامی مولوی مسعود عزیزی ندوی صاحب بھی تھے جن پر ان کی توجہات اس لیے بھی تھیں کہ وہ اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے جہاں ان کا مرکزِ تربیت وارشاد واقع ہے، یعنی خانقاہِ رائے پور، جہاں وہ دینی اور روحانی استفادے کے لیے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے تھے۔

مولوی مسعود عزیزی صاحب نے (اس رسالے میں) ایسی مختلف ومتنوع چیزوں کو اکٹھا کیا جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ان کے پاس تھیں، اس طرح (یہ معلومات کا) ایک مفید مجموعہ تیار ہوگیا ہے۔ امید ہے کہ یہ دوسروں کے لیے مفید ثابت ہوگا اور صاحب کتاب کے لیے بھی مفید ہوگا، میں ان کے لیے اور (اس) رسالے کی افادیت کے لیے دعا کرتا ہوں اور اظہارِ قدردانی کرتا ہوں۔

محمد رابع حسنی ندوی — ١٢/٠٥/١٤٣٧ھ

ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ — ٢٢/٠٢/٢٠١٦ء

6

تقریظ

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی

نائب مدیر پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اسلامی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کا کوئی بھی دور بانجھ نہیں رہا اور جس دور کو جیسی شخصیت کی ضرورت تھی، اللہ تعالی نے وہ شخصیت پیدا فرمائی اور اس سے وہ کام لیا جس کام کی ضرورت تھی، دعوت واصلاح وتجدید دین کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ شخصیتیں زیادہ تر شام ومصر وعراق، خراسان میں پیدا ہوتی رہی ہیں، پھر وہ دور آیا کہ برصغیر ہند کا نصیب جاگا اور ایک سے بڑھ کر ایک جامع کمالات حامل لواء اصلاح وتجدید دین ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں، اور ہندوستان میں اصلاح وتجدید ودعوت کا کام کیا۔

یہ زمانہ پانچ ادوار پر محیط ہے، یہ پانچ صدیاں ہیں، جن کا آغاز الف ثانی یعنی ہزارۂ دوم کے آغاز سے ہے، اسی لئے اس دور اول کی مجدد شخصیت نے مجدد الف ثانی کا خطاب پایا، یہ ایسی تجدید تھی جس کے سایہ میں بعد کے ادوار کے اصلاحی فکری عملی دعوتی اصلاحی کام انجام پائے، دوسرا دور حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے، جن کے کار تجدید کو ان کے خلفاء وتلامذہ اور صاحبزادگان واحفاد واسباط نے استحکام بخشا اور عمومیت دی؛ لیکن تیسرا دور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت مجاہدین وجماعت اصلاح ودعوت کا قرار پایا، اور انہوں نے مجددی فیض اور ولی اللہی فکر کو عملی جامعہ پہنا

کرایک جماعت حق تیار کرنے کا ایسا عظیم کام انجام دیا کہ جن میں ایک ایک شخص اسلام کے عہد اول کی یاد تازہ کرنے کیلئے کافی تھا، اس جماعت حق کا ایک بازو شہادت حق کی نذر ہوا اور دوسرا بازو ایک طرف حق کیلئے جان لڑاتا رہا اور دوسری طرف انگلیوں کی سیاہی سے اشاعت حق کا کام کرتا رہا۔

چوتھا دور قیام مدارس کا دور قرار پایا، جس کی تاسیس وقیام اور استحکام اسی تیسرے دور کی جماعت حق کے افراد کے تیار کردہ افراد کے حصہ میں آیا، ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند ام المدارس قرار پایا، اگرچہ اس سے قبل بھی ملک کے مختلف حصوں اور برصغیر کے مختلف خطوں میں مدارس قائم ہو چکے تھے مگر ان کی روشنی میں مدہم تھی، دارالعلوم دیوبند اس سے متصل مظاہر علوم سہارن پور میں علم وعمل اور ربانیت کے آفتاب ومہتاب بن کر روشن ہوئے، اور اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنو اور اس کے دارالعلوم نے عالمی منظرنامہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس روشنی کو اور جلا بخشی، ان سب اداروں وتعلیم گاہوں یہاں تک کہ لاہور جیسے مرکز علم وثقافت سے بھی عطر کشید کر کے جو شخصیت تیار ہوئی، اس کو عالم عربی نے شیخ ابوالحسن اور برصغیر نے علی میاں کے نام سے جانا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو خطاب وغیرہ دینے میں بڑے محتاط عالم قرار پائے، ان کی نوجوانی میں ہی جب کہ خود ان کا آفتاب علم ومعرفت ورشد وہدایت نصف النہار پر تھا، مجمع الکمالات سے انہیں ان کے نام اپنے ایک مکتوب میں خطاب کیا، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے ان کے برادر معظم حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے کام اپنے ایک مکتوب میں یہ توقع ظاہر کی، اللہ تعالی ان سے تجدید ملت اسلامیہ کا کام لے گا، جب وہ دعوت وتبلیغ کا کام لیکر بلاد عربیہ کے اعیان واعلام کے پاس گئے تو مصر کے ارباب علم ودانش نے اس کام کو ان کی نسبت سے لیتے ہوئے ''الدعوۃ الندویہ'' کا نام دیا، اس کی مکمل روداد ان کی کتاب ''مذکرات سائح فی الشرق العربی'' میں دیکھی

جا سکتی ہے۔(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی زندگی میں جو جامعیت، توازن، اعتدال، للّٰہیت، حکمت ودعوت، فہم کتاب وسنت، فقہ سیرت واخلاق اور روحانیت تھی، جس نے انہیں عالم اسلام کے مختلف الفکر طبقات کا گرویدہ بنا دیا تھا، اس نے انہیں پوری مدت حیات قرار لینے نہیں دیا، اور جب روح پرواز ہوئی، تو اللہ تعالی نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ وہ غسل کر کے، خوشبو لگا کر نماز جمعہ کی تیاری میں اور تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوئے اور پھر: ؎

تیری آرزو مکہ اور مدینے

مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے حرموں کے میناروں نے ان کی عظمت کے منارے بلند کئے، اور ۲۷/ رویں شب رمضان المبارک میں لاکھوں لاکھ افراد نے نماز جنازہ ادا کی، ان سے کوئی نصیحت یا وصیت چاہتا تو فرمادیا کرتے تھے کہ سب کتابوں میں لکھ چکے ہیں، اور کبھی اللہ کو گواہ بنا کر کہتے کہ جو کہنا تھا سب کہہ دیا، واقعہ یہ ہے کہ وہ اس دور کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ دے کر گئے، اب ان کی فکر ونہج پر افراد کی تیاری کی ضرورت ہے، اور الحمدللہ ایسی اطلاعات جگہ جگہ سے مل رہی ہیں کہ انہیں کے طرز دعوت وفکر کو سب سے صحیح ومستقیم طرز دعوت وفکر سمجھا جانے لگا ہے، ان سے محبت وعقیدت رکھنے والے اپنے اپنے طریقہ ومنہج پر ان کی فکر وسیرت کو پیش کرنے کا کام کر رہے ہیں، اور مختلف زبانوں میں یہ کام ہو رہا ہے، برادر محبّ ومحترم مولانا مسعود عزیزی ندوی زادہ اللہ تعالی علماً وعملاً وتوفیقاً نے بھی ایک کتاب مرتب کی جس میں حضرت نوراللہ مرقدہ کے حالات، انکی محبت وشفقت اور عنایات وتوجہات کے واقعات اور ان کے مکتوبات ومقدمات اور ملفوظات ووصایا کو بھی جمع کیا ہے، اگرچہ اس پر ان کے جانشین مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت

(۱) شرق اوسط کی ڈائری: ترجمہ مولانا شمس الحق ندوی

برکاتہم تقریظ تحریر فرما چکے ہیں، اس عاجز وفقیر سے بھی چاہا کہ وہ بھی اس سعادت میں حصہ لے، اللہ تعالیٰ سے دعائے قبولیت کے ساتھ یہ چند سطریں پیش ہیں۔ وماتوفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب

۲۲؍جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ — محمود حسنی ندوی

مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

راقم سطور کا شیخی ومرشدی حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ سے خاص تعلق تھا، حالانکہ راقم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ایک طالب علم تھا، اس کے باوجود حضرت مولانا کی شفقتیں وعنایات کچھ ایسی تھیں جن کی نظیر نہیں ملتی، حضرت مولانا اپنے محسنین، اپنے بزرگوں اور اکابر کے علاقوں سے نسبت رکھنے والوں کا بھی خاص خیال رکھتے تھے، یہ صفت بزرگان متقدمین کے یہاں ہی ملتی ہے، حضرت مولانا اپنے دور میں اس صفت میں ممتاز تھے، راقم سطور پر بھی رائے پور کی نسبت کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی شفقتیں تھیں، حضرت کے وصال کے بعد طبیعت پر بہت زیادہ اثر تھا، اس لئے کئی سال تک کچھ نہ لکھ سکا، آٹھ سال کے بعد حضرت مولانا کے مختصر حالات اور اپنے اوپر حضرت کی شفقتوں اور توجہات سے متعلق ایک مضمون لکھا تھا، جو ماہنامہ ''نقوش اسلام'' میں شائع ہوا تھا، اسی طرح ایک مضمون حضرت کے ان خطوط پر مشتمل تحریر کیا تھا جو خطوط راقم کے نام تھے، وہ پہلے ''نقوش اسلام'' میں پھر راقم کی کتاب ''مکتوبات اکابر'' میں چھپا تھا۔

بعض دوستوں کا کافی دن سے اصرار تھا کہ حضرت کے وصال کو یک عرصہ ہوگیا، آپ کا حضرت سے خاص تعلق تھا، اس لئے آپ کی طرف سے ضرور کوئی کتاب آنی چاہئے، چنانچہ راقم نے وہی دونوں مضامین ایک جگہ جمع کردئے، پھر حضرت مولانا نے راقم کی آٹھ کتابوں پر عربی اور اردو میں جو مقدمے لکھے تھے ان کو بھی شامل کرلیا گیا، اور اخیر میں حضرت مولانا کی امت کے مختلف طبقات کے نام جو مختلف ہدایات اور وصایا تھے وہ

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نے ترتیب دئے تھے، اور وہ نقوش اسلام کی مختلف قسطوں میں شائع ہوئے تھے، ان کو بھی شامل کرلیا ہے، اس طرح پانچ ابواب پر مشتمل یہ کتاب تیار ہوگئی، جس کو راقم نے شیخی ومرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں پیش کیا، اور حضرت والا نے اس پر مقدمہ تحریر فرمایا، اللہ تعالی حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور آپ کا سایہ تادیر قائم فرمائے اور اس رسالے کو قبول فرمائے، اسی طرح ہمارے محترم محبّ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نے بھی از راہ تعلق تقریظ تحریر فرمائی، اللہ تعالی ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

والسلام

محمد مسعود عزیزی ندوی — ۵؍جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ

مرکز احیاء الفکر اسلامی مظفرآباد، سہارنپور — ۱۴؍فروری ۲۰۱۶ء

پہلا باب

میرے شیخ ومرشد

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

کے مختصر حالات زندگی، ان کا مقام اور شخصیت

پہلا باب

میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
کے مختصر حالات زندگی، ان کا مقام اور شخصیت

تمہید

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہٗ اس سرزمین پر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، وہ ایک بہترین عالم، مفکر، ادیب، مؤرخ، مصنف، داعی، مصلح، عارف باللہ اور ولی کامل تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقبولیت، محبوبیت اور شہرت دی تھی اس کی نظیر ہمارے محدود علم کے مطابق قریب کے دور میں نہیں ملتی، تاریخ میں ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، آپ کا فیض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام، یورپ وامریکہ تک پہنچا ہے، آپ کے اندر تواضع، عاجزی وانکساری حد درجہ تھی، آپ دوسروں کی قدردانی، دوسروں کی عزت اور دوسروں کی دینی، دعوتی سرگرمیوں کو سراہتے تھے، آپ تمام دینی تحریکوں، اداروں، انجمنوں، مدرسوں، مسجدوں اور خانقاہوں کی قدر کرتے تھے اور ان کو دین کی بقاء اور اسلام کی حفاظت کا ذریعہ تصور کرتے تھے، وہ اپنی بہت سی خصوصیات وصفات کی وجہ سے مختلف الخیال ومختلف گروہوں کے نزدیک سچے، مخلص انسان اور انسانیت کا درد رکھنے والے اور اس کی ڈوبتی اور ڈانواڈول کشتی کو کنارا لگانے والے سمجھے جاتے تھے، ان کی دینی، علمی اور فکری خدمات کی

بنا پر امت نے ان کو مجدد اور امام تسلیم کیا ہے۔

حضرت مولانا کی پیدائش اور آپ کا خاندان

حضرت مفکر اسلام کی پیدائش ۶ رمحرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ ردسمبر ۱۹۱۳ء جمعہ کے روز تکیہ کلاں رائے بریلی کے ایک علمی وداعی خاندان میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہندوستان کے چوٹی کے اصحاب فضل وکمال اور عربی کے ماہر علماء عظام میں سے تھے، انہوں نے نزہۃ الخواطر (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام) کے نام سے ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء، صلحاء، ادباء، مفکرین، شعراء، دانشور اور سلاطین وغیرہ کے حالات پر ۸ رجلدوں میں بڑا قیمتی انسائیکلوپیڈیا تیار کر دیا ہے، جس کی نظیر کسی اسلامی وغیر اسلامی ملک میں نہیں ملتی، ان کی دیگر تصانیف میں الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، گل رعنا، یاد ایام اور تہذیب الاخلاق وغیرہ بہت مشہور ہیں، ان کا انتقال فروری ۱۹۲۳ء میں ہوا، جب حضرت مولانا کی عمر تقریباً ۹ رسال تھی، والد صاحب کے انتقال کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے برادر اکبر ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اہم رول ادا کیا اور والد کے نہ ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا، وہ خود دیوبند اور ندوہ کے فیض یافتہ عالم اور فاضل تھے۔

آپ کی والدہ سیدہ خیر النساء صاحبہ نہایت صالح اور مشفق خاتون تھیں، قدرت کی طرف سے انہیں اعلیٰ شعری ذوق ملا تھا، ان کا تخلص ''بہتر'' تھا، ان کی کتابیں ''ذائقہ'' اور ''حسن معاشرت'' بہت معروف ہیں، حضرت مولانا کی تربیت میں ان کا بڑا کردار رہا ہے، حضرت مولانا کی نمازوں کی پابندی، تلاوت قرآن سے شغف، دوسروں کی تذلیل وایذاء سے دوری میں ان ہی کی تربیت کا اثر کارفرما تھا، والدہ کا انتقال اگست ۱۹۶۸ء میں ہوا۔

غرضیکہ حضرت مولانا کا خاندان علم وفضل میں ممتاز رہا، اوراس میں ادب، تاریخ وسوانح نگاری کا پہلو غالب رہا، تصوف وسلوک سے اس کا رابطہ صدیوں پر محیط ہے، اور غالباً حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی سے خاندانی ربط نے اس رنگ کو اور گہرا کیا، لیکن اس خاندان میں تصوف کبھی بھی سجادگی اور خانقاہی روایات وآداب کا پابند اور تعطل وجمود کا قائل نہیں رہا، بلکہ اصلاح وارشاد اور دعوت وجہاد ہمیشہ اس کا شیوہ رہا، غالباً اس میں محمد ذوالنفس الزکیہ کی جہادی کوششوں اور خون شہادت کا اثر کارفرما ہے۔(۱)

تعلیم وتربیت اور اساتذہ کرام

حضرت مولانا نے ماہرین اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا یکتائے روزگار ثابت ہوئے، اخلاص واختصاص دونوں اوصاف ان کی شخصیت میں جمع ہوگئے تھے، عربی کی اصل تعلیم آپ نے اپنے استاذ مولانا خلیل عرب سے حاصل سے کی، ان کی شخصیت کی تعمیر میں عرب صاحب کا بہت دخل ہے، اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولانا عزیز الرحمٰن حسنی سے ابتدائی کتابیں، نحو میر، میزان ومنشعب، صرف میر اور پنج گنج وغیرہ پڑھیں، اپنے عم محترم سید محمد اسماعیل صاحب سے فارسی کی کتابیں خصوصاً شیخ سعدی کی بوستاں پڑھی، مولوی محمود علی لکھنؤ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، اور خوشخطی سیکھی، حساب اور اردو وغیرہ کی مشق ماسٹر محمد زماں خان صاحب سے کی، اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سے انگریزی وعربی میں کافی استفادہ کیا، انگریزی تعلیم جناب خلیل الدین ہنسوی، اپنے ماموں جناب سید احمد سعید صاحب اور ندوہ کے انگریزی کے استاذ ماسٹر محمد سمیع صدیقی وغیرہ سے حاصل کی، اور بڑی مہارت پیدا کی، علامہ سید سلیمان ندوی سے بھی فلسفہ قدیم کے متعلق کوئی کتاب پڑھی، اور یونانی فلسفہ سے واقفیت حاصل کی،

(۱) سہ ماہی فکر اسلامی بستی، مفکر اسلام نمبر صفحہ ۴۰۔

دوران تدریس علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی سے بھی استفادہ کیا، دیوان نابغہ پڑھا اور ادب عربی کی تدریس کے زریں اصول اخذ کئے، خواجہ عبدالحئی فاروقی سے قرآن مجید کے اخیر کے پارے کی کچھ سورتیں پڑھیں، اپنے پھوپھا مولانا سید محمد طلحہ حسنی سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا، اور آپ کی صرف ونحو کی عملی صلاحتیں زیادہ تر انہیں کی رہین منت ہیں، آپ نے ان سے زبان وادب کی کتابیں بھی پڑھیں، ۱۹۲۹ء میں ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے دوران حضرت مولانا نے ندوہ کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکی سے صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤ اور ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی، اس کے ساتھ ہی بیضاوی اور منطق کے اسباق بھی پڑھے، مولانا شبلی جیراجپوری سے فقہ میں کچھ استفادہ کیا۔(۱)

۱۹۳۰ء میں لاہور میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری سے تفسیر میں فائدہ اٹھایا، حضرت مولانا خود تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہرحال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوجاتی، شاید اس میں ادب وتاریخ اور تصنیف وتالیف کے سوا کوئی ذوق اور رحجان نہ پایا جاتا، خداشناسی اور خدارسی، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خداطلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت اور مردان خدا کی محبت، اپنی کمی اور اصلاح وتکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔

۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے حدیث، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب سے فقہ اور قاری اصغر علی صاحب سے تجوید کا درس لیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاذ تقرر

فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ غیبی اسباب بن گئے جن کی بنا پر حضرت

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جامع کمالات شخصیت کے چند اہم پہلو صفحہ ۲۳۔

مولانا کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یکم اگست ۱۹۳۴ء کو بحیثیت استاذ تفسیر وادب تقرر ہو گیا، پھر آپ پورے انہماک وتوجہ کے ساتھ تدریس وتعلیم میں مشغول ہو گئے، اور پہلے ہی سال آپ کو درجہ ششم میں ترمذی شریف کا نصف ثانی اور قرآن کریم کے ابتدائی دس پاروں کی تفسیر پڑھانے کے لیے دی گئی، اس کے علاوہ ادب میں دیوان حماسہ کا کچھ حصہ اور ''خضری'' کی تاریخ الامم الاسلامیہ اور ابتدائی درجات میں بھی کوئی ایک عربی ریڈر حصہ میں آئی۔

رشتۂ ازدواج

دارالعلوم کے قیام کے پہلے ہی سال میں حضرت مولانا کی شادی حقیقی ماموں زاد بہن سیدہ طیب النساء صاحبہ سے ہوئی جو حضرت شاہ ضیاء النبی کی پوتی اور مولانا سید عبدالرزاق کلامی ''صاحب صمصام الاسلام'' کی نواسی تھیں، حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب نے نکاح پڑھایا اور ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نے بڑے اہتمام سے ولیمہ کا انتظام فرمایا۔

تعلیم وتدریس میں حضرت مولانا کی دلسوزی اور محنت

عربی زبان وادب حضرت مولانا کا خاص موضوع تھا، اس میں یہ بھی اہتمام تھا کہ سبق اس طرح پڑھایا جائے، کہ وہ غذا بن جائے اور طلبہ اس سے مانوس ہوں، حضرت مولانا تحریر کرتے ہیں ''اس وقت اپنے درجوں کے طلبہ سے ایسا تعلق پیدا ہو گیا تھا جو افادہ واستفادہ کے لیے شرط ہے، گھول کر پلا دینے کا جذبہ جو اپنے شفیق استاذ شیخ خلیل عرب سے ملا تھا، اس وقت سینہ میں موجزن تھا، ضوابط وقواعد نپے تلے، وقت اور مقام کی کوئی قید نہ تھی، طلبہ کو ہر طرح مشق کرانے اور عربی سکھانے کا اہتمام رہتا تھا، اس کے لئے ہم لوگ نئے نئے طریقے اختیار کرتے اور ذہنی اُپج سے کام لیتے تھے''۔(۱)

(۱) کاروان زندگی حصہ اول صفحہ ۱۵۱۔

تدریس کے دوسرے ہی سال سے درجہ ہفتم میں تاریخ ادب عربی کا گھنٹہ مستقل حضرت مولانا کے حصہ میں آ گیا اور کئی سال احمد حسن زیات کی ''تاریخ الادب العربی'' پڑھانے کا سلسلہ جاری رہا، تدریس کے آخری سالوں میں کئی سال تک بخاری شریف کی کتاب الوحی، کتاب الایمان اور کتاب العلم پڑھائی، فرماتے ہیں کہ ''اس میں خوب جی لگا'' ایک سال کچھ عرصہ تک حجۃ اللہ البالغۃ بھی زیر درس رہی (۱) اس طرح حضرت مولانا نے باقاعدہ مستقل دس سال تک درس دیا، جس میں مختلف فنون وعلوم کی کتابیں زیر درس رہیں اور طلبہ آپ سے خوب خوب مستفید ہوئے، بلکہ آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک کھیپ تیار کر دی۔

دعوتی واصلاحی کوششوں کا آغاز

حضرت مولانا کو تدریسی دور کے آخری سالوں میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ اس محنت کے بعد جن نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے، وہ سامنے نہیں آتے اور بڑی حد تک یہ کوششیں نقش برآب ثابت ہوتی ہیں، اس کے نتیجے میں طبیعت لگے بندھے نظام سے عاجز آنے لگی، پھر حضرت مولانا نے بعض ان اہم کتابوں کا مطالعہ فرمایا جن سے فکر ونظر میں وسعت پیدا ہوئی اور عالم اسلام کے مسائل اور تحریکات سے دلچسپی پیدا ہونا شروع ہوئی، جن میں خاص طور پر ''حاضر العالم الاسلامی'' اور اس پر امیر شکیب ارسلان کے طاقتور حواشی، عبدالرحمٰن الکواکبی کی ''مؤتمر ام القری'' قابل ذکر ہے، ان میں محبّ الدین الخطیب کے ہفتہ وار رسالہ ''الفتح'' کو بھی بڑا دخل ہے، جس کے مضامین بڑے طاقت ور اور ولولہ انگریز ہوتے تھے، اس کے علاوہ ہندوستان کی جنگ آزادی اور سیاسی تحریکات پر لکھی ہوئی کتابوں کا بھی اسی زمانہ میں مطالعہ فرمایا اور بعض انگریزی مآخذ کا بھی براہ

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۱۴۸/۱۴۷/ملخصاً

راست یا ترجمہ کی مدد سے مطالعہ کیا۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سے تعارف وارتباط ہوا اوران کی رفاقت میں ۱۹۳۹ء کی آخری تاریخوں میں دینی مرکزوں کے دورے کے لیے اور حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے سہارنپور اوررائے پور کا سفر کیا، رائے پور سے دہلی کا سفر ہوا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے ملاقات ہوئی، اس دور میں حضرت مولانا، مولانا مودودی کی تحریروں سے بھی متاثر ہوئے اور تقریباً تین سال تک باقاعدہ جماعت اسلامی سے وابستہ رہے، پھر بعض وجوہ کی بنا پر اس سے الگ ہوئے، اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، پھر لکھنؤ میں دعوتی سرگرمیاں شروع کردی، اور جب حضرت مولانا الیاس صاحب کی شفقتیں بڑھتی گئیں تو تبلیغ ودعوت میں انہماک ہوتا گیا اور حضرت مولانا کے سفر پر سفر ہونے لگے۔

بزرگوں سے اجازت وخلافت

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے ۱۹۴۶ء میں حج کے سفر سے واپسی پر حضرت مولانا کو لاہور بلایا اور اپنے سلسلہ قادریہ میں اجازت مرحمت فرمائی، حضرت لاہوری آپ کی ترقی سے اپنے بیٹوں کی ترقی کے مقابلے میں زیادہ خوش ہوتے تھے، اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے رائے بریلی کے سفر کے دوران ۱۶/اپریل ۱۹۴۸ء میں تکیہ کی مسجد سے نکلتے ہوئے حضرت مولانا کو چاروں سلسلوں میں خاص طور سے حضرت سید احمد شہید کے سلسلہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی، حضرت مولانا نے بھی تمام دعوتی سفر حضرت رائے پوری کے مشورے سے کئے، سفر سے پہلے بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سفر سے لوٹ کر بھی حضرت کو روداد سناتے، حضرت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔

ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم

ندوۃ العلماء سے حضرت مولانا کا تعلق موروثی وجذباتی تھا اور عقلی وفکری بھی، حضرت مولانا نے اپنے شعور وتعقل کی ابتداء ہی سے اس کا نام سنا اور اس کے کام اور پیغام سے آشنا ہوئے، پھر اسی فکر وماحول میں آپ کی ذہنی وفکری تربیت ہوئی، اس کی فکر کی وسعت وآفاقیت، توازن واعتدال، ہمہ جہتی وشمولیت پر آپ کو پورا یقین تھا اور ابتدا ہی سے آپ اس کی فکر ودعوت کے ترجمان اپنے حال سے بھی تھے اور اپنے قال سے بھی۔

تدریس کے دس سالہ دور میں حضرت مولانا نے تعلیمی نصاب ونظام میں اصلاحات فرمائیں اور عربی زبان وادب کا پورا نصاب تیار فرمایا، علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے اخیر دور میں حضرت مولانا کو نائب معتمد تعلیم بنایا، اور ۷/جنوری ۱۹۴۹ء میں یہ تجویز شوری میں پاس ہوئی اور حضرت علامہ آپ ہی پر پورا اعتماد کرنے لگے، حضرت مولانا نے اسی زمانہ میں نصاب کا خاکہ بنا کر علامہ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں بھیجا، تو حضرت علامہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''اس دور کے لیے آپ کا خاکہ موزوں ہوگا، مجھے چونکہ آپ پر اعتبار واعتماد ہے، اس لیے دیکھے بغیر بھی اس کو پسند کرتا ہوں، اللہ تعالی نافع فرمائے'' (۱) پھر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد حضرت مولانا کو معتمد تعلیم منتخب کیا گیا۔ (۲)

ندوۃ العلماء کی نظامت

برادر بزرگ ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی کی وفات کے بعد آپ کو ۱۸/جون ۱۹۶۱ء میں ندوۃ العلماء کا ناظم بنایا گیا، آپ اس عہدہ پر تقریباً چالیس سال تک رہے، اس درمیان ندوۃ العلماء کو حضرت مولانا نے بین الاقوامی شہرت کا عالمگیر ادارہ بنادیا، اور گویا

---

(۱) پرانے چراغ حصہ اول صفحہ ۴۶۔ (۲) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۳۲۶۔

کہ خود آپ کی ذات ایک چلتا پھرتا ندوہ معلوم ہونے لگی، آپ کی نظامت کے دور میں ندوۃ العلماء نے شعبہ جات کے اعتبار سے بھی ترقی کی، مادی اعتبار سے بھی، تعمیرات کے اعتبار سے بھی اور شہرت کے اعتبار سے بھی۔

تصنیفات وتالیفات

حضرت مولانا نے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق کتابیں تصنیف کیں، تاریخ میں بھی، ادب میں بھی، سیرت میں بھی، اخلاقیات کے سلسلے میں بھی، اصلاحیات کے سلسلے میں بھی، تحقیقی بھی اور علمی بھی، غرضیکہ آپ نے مستقل ایک کتب خانہ تیار کردیا، اورامت کے ہر طبقہ کے لیے آپ نے غذا فراہم کی، آپ کی کتابیں بچوں کے لئے بھی ہیں، نوجوانوں کے لیے بھی، بوڑھوں کے لیے بھی، اساتذہ اور محققین کے لیے بھی، اور طلبہ کے لیے بھی، آپ نے عربی اور اردو ہر دو زبانوں میں کتابیں لکھیں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بھی آپ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، آپ کی مشہور کتابوں میں انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ارکان اربعہ، تاریخ دعوت وعزیمت، منصب نبوت اوراس کے عالی مقام حاملین وغیرہ ہیں، آپ کی کل کتابوں کی تعداد ۱۷۶ رہے۔

ملک وبیرون ملک کے دعوتی اسفار

ہندوستان کا تو شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں آپ کے قدم نہ پڑے ہوں، اور آپ کا فیض نہ پہنچا ہو، ہندوستان سے باہر بھی آپ نے دنیا کے مختلف ملکوں کے اتنے سفر کئے کہ شاید ہی کوئی سربراہ مملکت کر سکے، آپ یوروپ بھی گئے، امریکہ بھی گئے، عرب ممالک میں بھی گئے، برطانیہ بھی گئے اور جہاں تک جانا ممکن ہوسکا پہنچے، ہماری معلومات کے

مطابق شاید ایک ملک جنوبی افریقہ ایسا ہے جہاں قضاوقدر کے بموجب آپ نہ جا سکے، باقی دنیا کے ہر گوشہ میں اپنی دینی دعوت کا ڈنکا بجایا اور لوگوں کو پیغام ہدایت سنایا، کتنے مردہ دلوں کی مسیحائی کی، اور کتنی بے جان روحوں میں عشق ومحبت کا صور پھونکا۔

مختلف اداروں کی صدارت وسرپرستی

حضرت مولانا ہندو بیرون ہند میں مختلف اداروں کے صدر وسرپرست اور رکن رہے، شاید ہی عالم اسلام کا کوئی مہتم بالشان ادارہ یا کانفرنس ہو، جس میں حضرت مولانا کی شرکت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو، آپ کو اللہ تعالی نے جو محبوبیت ومقبولیت اور علمی رسوخ دیا تھا، اس کی وجہ سے ہر جگہ ہر مجلس کے صدر نشین آپ ہی نظر آتے ہیں، اور جن اداروں یا تحریکوں کی آپ نے سرپرستی یا صدارت کی تو خود ان اداروں کی عزت وشہرت اور مقبولیت میں چار چاند لگے ہیں۔

آپ کے اصلاحی ودعوتی اور تجدیدی کارنامے

عالمی سطح پر حضرت مولانا نے جو اصلاحی وتجدیدی کارنامے انجام دیئے ان کو تین عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ان میں سب سے بڑا اور بنیادی کارنامہ عالم اسلام کو مغربی تہذیب وفکر سے صحیح طریقہ پر آزاد کرکے ان کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیمات پیش کرنے کا تجدیدی کام ہے، دوسرا کارنامہ ''قومیت عربیہ'' کے فتنہ کی سرکوبی ہے، قومیت عربیہ کے نعرے کے خلاف آپ تن تنہا میدان میں سرفروشانہ کود پڑے، سب سے پہلے آپ نے اس خطرہ کو بھانپا، اور اس کو جاہلیت کا نعرہ قرار دیا، اس سلسلہ میں آپ کو بہت سے علماء ودانشوروں کی تنقیدیں بھی سننی پڑیں، مگر آپ کی بصیرت آموز نگاہیں اپنی فراست ایمانی سے دیکھ رہی تھیں، اس لیے

آپ کو برملا اعلان کرنا پڑا کہ میری معلومات عربوں کے سلسلے میں سیکنڈ ہینڈ نہیں، میں ان کو بہت قریب سے جانتا ہوں اور اس سلسلہ میں جو نقطہ نظر آپ صحیح سمجھتے تھے، اس سے امت کو آگاہ کیا، اور تیسرا تجدیدی عمل ادب کی صحیح ترجمانی اور اس کے ذریعہ سے پیدا ہونے والے خطرات کی نشاندہی ہے، جس کے لیے ''رابطہ ادب اسلامی'' کی بنیاد پڑی۔(۱)

حضرت مولانا نے امت کے ہر طبقہ کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا، آپ نے سلاطین وامراء اور حکام کو بھی نصیحتیں کیں اور ان کو صحیح خطوط پر چلنے کی ہدایت کی اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور ان کے مقام ومنصب کی اہمیت کو اجاگر کیا، اسی طرح آپ نے اساتذہ ومربیوں کو بھی ہدایات دیں، اور ان کو بھی ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا، طلبہ کو بھی ان کا مقام یاد دلایا، اور ان کو بتلایا کہ وہ اپنی نافعیت کیسے ثابت کر سکتے ہیں اور دنیا کو ان سے کیا توقعات ہیں اور وہ دنیا میں کیا کچھ کر سکتے ہیں، غرضیکہ حضرت مولانا نے دنیا کے ہر اس خطرے اور فتنے کو سمجھا، جس سے دین پر، مسلمانوں پر، مسلمانوں کے اداروں پر، مسلمانوں کے تشخص اور ان کی دعوت پر کسی بھی طرح کی آنچ آتی ہو، اس خطرے یا فتنے سے امت کو متنبہ کیا، سربراہان مملکت کو بھی آگاہ کیا اور اس کے تدارک کے لیے جو چیزیں ان کے قلب سلیم پر وارد ہوئیں ان کو پیش کیا، اس طرح وہ ایک بہترین مصلح اور بہترین داعی کی حیثیت سے ممتاز ہوئے، اور ان کے کارناموں کا اہل دنیا نے اعتراف کیا۔

برادران وطن کو انسانیت کا پیغام پیش کیا، ان کو اسلام سے قریب تر کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ہر ممکن جدوجہد فرمائی، یہاں تک کہ پیام انسانیت کے نام سے ایک تحریک ہی قائم کردی۔

حضرت مولانا کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کا نگاہ بصیرت سے مطالعہ کیا، سادہ دل مشرق اور شاطر وہوشیار مغرب کی

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۴۲۔

کشاکش کو دیکھا اور سمجھا اور زمانہ کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا۔

مغرب کی فکری، تہذیبی وتمدنی یلغار کا پورا عالم اسلام شکار ہو رہا تھا، اور جزیرۃ العرب بھی اس کے حملوں سے چور چور تھا، اس کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ کوئی کھل کر اس کی خامیوں کی نشاندہی کرنے والا ہو۔

حضرت مولانا نے عالم اسلام کے مختلف ملکوں کے حالات کا جائزہ لیا، اور عالمی سطح پر اپنی پرزور تحریروں سے ایک ایک ملک کے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا، ان ممالک کی خصوصیات کا اعتراف بھی کیا، اس کے ساتھ مغربی تہذیب کے جو مضر اور دین دشمن اثرات وہاں پڑ رہے تھے، پوری قوت وجرأت کے ساتھ ان کی نشاندہی فرمائی اور ان کو ان ہی کی زبان میں ان کی نفسیات کو سامنے رکھ کر خطاب کیا، ان کے دھڑکتے ہوئے دلوں پر دستک دی اور ان کی خودی کو للکارا اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی سعی کی، جو اس تہذیب کے ظاہری شکوہ وسطوت میں دب کر رہ گئی تھیں۔

حضرت مولانا کے اس انداز خطاب نے پورے عالم اسلام پر اثر ڈالا، اسلام کا حقیقی چہرہ لوگوں کے سامنے آیا، اس کی روشنی وتابناکی سے مسلمانوں کے قلوب منور ہوئے اور یہ حقیقت واشگاف ہوئی کہ دنیا کے خانہ میں مسلمان ایک مؤثر عامل (Factor) کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی ترقی میں دنیا کی ترقی مضمر ہے، اگر اسلامی تعلیمات یکسر فراموش کردی گئیں تو یہ دنیا اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کی پامالی میں اس حد تک جاسکتی ہے، کہ اس کا دیوالیہ پن ظاہر ہوجائے۔

حضرت کی اس فکر ودعوت نے خوداعتمادی کی فضاء قائم کی، لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر ومنزلت پیدا ہوئی اور حضرت کی ذات کو عالم اسلام میں وہ مقبولیت ومحبوبیت عطا ہوئی جو قریبی زمانہ میں شاید ہی کسی کے حصہ میں آئی ہو۔(۱)

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۴۰/۴۲۔

حضرت مولانا کی مقبولیت کا راز

مجددین و مصلحین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اور ان کی زندگیوں کا جائزہ لینے سے صاف نظر آتا ہے کہ تین اوصاف ان کے اندر مشترک ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہی اوصاف اللہ کی طرف سے ''انتخاب واصطفا'' کا ذریعہ بن جاتے ہیں، ان میں پہلی چیز آبائی خصوصیات بالاخص ان کا تقوی واحتیاط اور حرام بلکہ مشتبہ مال سے بھی حددرجہ اجتناب ہے، اس کا نسل پر اثر پڑنا ایک قدرتی امر ہے، دوسری چیز اصلاح وتربیت کے لیے مناسب ماحول کا ملنا اور ایسے تربیت کرنے والے معلمین واساتذہ کا میسر آنا ہے جو خود بھی صاحب دردوفکر ہوں، تیسری چیز ذاتی محنت اور وہ طلب وذوق ہے جو ایک قوت محرکہ کی حیثیت رکھتا ہو۔

حضرت مولانا کی زندگی ان تینوں چیزوں کی آئینہ دار نظر آتی ہے، ان تینوں بنیادی صفات وخصوصیات کے علاوہ ایک مزید نعمت جو اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو عطا ہوئی اور اس کا آپ کی زندگی پر گہرا اثر پڑا، وہ والدہ ماجدہ کی وہ دعائیں ہیں، جو انھوں نے آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے کیں، اللہ تعالی نے ان کو صاحب دعا بنایا تھا، دعا ان کی دوا بھی تھی اور غذا بھی، اور ان کی ساری دعا حضرت کے لیے تھی، دعا میں ان کا ناز وانداز اور گریہ واضطراب بھی ہے، حضرت مولانا کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اس عنصر کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

یہ چار وہ عناصر ہیں جو حضرت مولانا کی سیرت کی تشکیل وتعمیر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالی کی توفیق اور انتخاب کا نتیجہ ہے، جب وہ اپنے کسی بندہ کو کسی کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے تو اس کے لیے وہی ضروری اسباب اور سازگار ماحول بھی پیدا فرماتا ہے۔(۱)

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۴۳ تا ۴۶ ملخصاً

امتیازات وخصوصیات

حضرت مولانا کے اندر وہ تمام خصوصیات وکمالات جمع ہو گئے تھے، جو ایک سچے مسلمان، ربانی عالم، داعی الی اللہ، ناشر رشد وہدایت، مصلح وقت، ولی کامل مفکر اسلام، مجدد اور امام کے اندر ہونے چاہئیں، وہ امت کی اصلاح کی فکر میں اور امت پر آنے والی آزمائشوں سے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے، وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے، کہ کس طرح سے امت کی ڈوبتی کشتی منزل تک پہنچ جائے اور وہ اللہ ورسول کی اطاعت گذار بن جائے اور جہنم کی آگ سے چھٹکارا پا جائے۔

حضرت مولانا نے مختلف علوم اپنے وقت کے صاحب فن اساتذہ اور امتیاز رکھنے والے ماہرین سے حاصل کئے تھے، ان میں خاص طور پر تفسیر، ادب اور تاریخ میں حضرت مولانا کو امتیازی شان حاصل تھی، حضرت مولانا نے اپنے دعوتی وفکری اور اصلاحی سفر میں ان تینوں سے فائدہ اٹھایا، ان کے علاوہ حدیث کا بھی اعلی ذوق تھا، فقہ میں اعلی بصیرت حاصل تھی، اور وسعت قلب ونظر، وسعت فکر اور ذہن کی آفاقیت میں ممتاز تھے، اعتدال وتوازن، اعتدال فطرت اور سلامت ذوق آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، بصیرت ایمانی، حقیقت رسی، نبض شناسی، لطافت شعور میں آپ اپنی مثال آپ تھے، دردمندی ودلسوزی، اشک ریزی، حمیت دینی، جذبہ جہاد سے سرشار تھے، حسن اخلاق، حسن سلوک اور صلہ رحمی آپ کی عادت تھی، دل آزاری ودل شکنی سے حددرجہ اجتناب تھا، زہد واستغناء، حکمت وبصیرت کے ساتھ جرأت ایمانی، حق گوئی وبے باکی آپ کی امتیازی صفات تھیں، جود وسخا اور داد ودہش، عزیمت وتوکل، فنائیت وبے نفسی اور اخلاص وللہیت میں آپ بے نظیر تھے۔

حضرت مولانا امت کے سلسلے میں راتوں میں اپنے پروردگار کے سامنے گڑگڑاتے، آہ وزاری کرتے، مناجات والتجا کرتے، اور امت کی فکر میں گھلے جاتے، اللہ تعالی نے آ

پ کونرم دل، نرم طبیعت، ستودہ صفات کا حامل بنایا تھا، آپ میں گویا کسی کو ضرر پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں تھی، وہ اپنے پاس والوں اور اہل تعلق کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتے تھے، اور ایسے انداز میں اصلاح کرتے جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم امت کو عمومی خطاب سے کرتے تھے، اپنے چھوٹوں پر شفقت فرماتے یہاں تک کہ اپنے شاگردوں کا بھی حد درجہ اکرام کرتے اور ان کے سامنے بھی پیر پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے، معذوری اور بیماری کی حالت میں بھی یہی معمول تھا۔

حضرت مولانا میں اتباع سنت کی محبت وجذبہ، تہجد کا اہتمام، اذان ہوتے ہی مسجد میں پہنچنے کا معمول تھا، آپ دوسروں کی عیب جوئی، غیبت وبدگوئی اور بدگمانی جیسے امراض سے پاک تھے، اپنے محسنین کے احسانات کو یاد رکھتے اور ان کے احسانات کو چکانے کی زندگی بھر کوشش کرتے تھے، جن بزرگوں سے انہوں نے کسب فیض کیا، یا جن سے ان کو تعلق تھا، ان بزرگوں کے علاقہ کا کوئی ادنی سا آدمی بھی حضرت کے پاس آجاتا تو بھرپور اس کا خیال کرتے تھے، حضرت کے یہاں نسبتوں کا بڑا خیال اور اہتمام تھا، بلکہ بعض مرتبہ بزرگوں کے علاقہ کا کوئی طالب علم ندوہ میں زیر تعلیم ہوتا تو اس طالب علم کی بھرپور قدر کرتے، اپنے پاس بٹھاتے، اس کی خیر خیریت معلوم کرتے، اس کو ہدایا اور نقد رقم دیتے، اس کی ضروریات کا بھرپور خیال کرتے تھے۔

حضرت مولانا کی شخصیت میں جامعیت

حضرت مولانا کی شخصیت بزرگوں کی نسبتوں کی جامع تھی، آپ کے اندر حضرت رائے پوری کی فنائیت وبے نفسی، حضرت لاہوری کی غیرت وخودداری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی دردمندی ودلسوزی، حضرت مدنی کی عزیمت واستقامت اور حضرت شیخ کی بصیرت ایمانی کا ایسا حسین گلدستہ تیار ہو گیا تھا، جس کے رنگا رنگ پھولوں کی خوشبو سے

پورا عالم معطر ہوا۔

حضرت مولانا کی شخصیت میں جامعیت تھی، ان کی ذات میں امام احمد کی عزیمت، امام غزالی کی علو ہمت، ابن جوزی کی حمایت سنت، شیخ عبدالقادر جیلانی کی دردمندی اور اخلاص وتأثیر کی جھلک نظر آتی ہے، وہ ایک طرف علامہ ابن تیمیہ کی طرح توحید کے علمبردار نظر آتے ہیں تو دوسری طرف انہوں نے شیخ اکبر کے علوم ومعارف میں غواصی کی ہے، ان کے اندر مجدد الف ثانی کی حکمت، شاہ ولی اللہ کی بصیرت وفراست، سید احمد شہید کے جذبہ دعوت وجہاد کا ایسا حسین سنگم نظر آتا ہے جو مصلحین ومجددین کی تاریخ میں نایاب تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہے۔

حضرت مولانا اکابرین امت کی نظر میں

حضرت تھانوی نے آپ کو ''بخدمت مجمع الکمالات مولوی ابوالحسن صاحب'' لکھا، حضرت رائے پوری نے آپ کو ''سیدی ومولائی حضرت اقدس دامت برکاتہم'' اور کہیں مولانا شمس تبریز'' لکھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے آپ کو ''مخدوم ومحترم سیدی وسید عالم دام مجدکم'' لکھا، حضرت شیخ نے آپ کے بارے میں لکھا کہ ''مولانا ابوالحسن علی مجموعہ حسنات ہیں'' حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے آپ کے بارے میں لکھا کہ ''حجاز ومصر کی فضائیں ان کی دعوت کے نغموں سے مسحور ہیں'' حضرت مولانا دریابادی نے آپ کو ''تاروں کے جھرمٹ کے درمیان آفتاب'' لکھا، امام حرم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ نے فرمایا کہ ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

دوسرا باب

راقم سطور پر حضرت مفکر اسلام کی شفقتیں وعنایات

دوسرا باب

راقم سطور پر حضرت مفکر اسلام کی شفقتیں وعنایات

حضرت مولانا کی محبتیں

راقم سطور حضرت مولانا کے مشورہ کے مطابق رائے پور سے ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچا تھا، اور ۱۹۹۴ء میں جب مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوا تو وہاں حضرت بھرپور خیال کرتے تھے، مدرسہ کے ذمہ دار مولانا شرافت صاحب کو ہدایت کردی تھی کہ ان کا بھرپور خیال رکھنا، ماشاء اللہ انہوں نے بہت خیال رکھا، تکیہ میں جب حضرت مولانا تشریف فرما ہوتے، تو آپ کی صحبت ومجلس سے فائدہ اٹھاتا، اس طرح سال بھر حضرت والا کی توجہات سے لطف اندوز ہوتا رہا، آئندہ سال ندوہ آنے کے بعد حضرت مولانا کی شفقتیں اضعافا مضاعفہ ہوگئیں، اس ناکارہ کو بھی حضرت سے ایسی محبت ہوگئی تھی کہ اگر کسی مشغولیت کی وجہ سے دن میں حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا، اور نہ رات کی مجلس میں شریک ہوسکا، تو رات میں نیند نہیں آتی تھی، جب تک کہ مہمان خانہ کا چکر لگا کر نہ آجاتا جہاں پر حضرت کا قیام رہتا تھا، چنانچہ کھڑکی میں سے زیارت کرکے یا مہمان خانہ کے اردگرد گھوم کے سکون مل جاتا اور جاکے سو جاتا، حضرت کی طرف سے بھی شفقت کا یہ معاملہ تھا کہ حضرت سفر سے واپس لوٹتے اور میری طرف سے ملنے میں تاخیر ہوجاتی تو حضرت یاد فرماتے اور کسی کے ذریعہ سے بلاتے اور پھر فرماتے کہ رائے پور کی یاد آرہی ہے، حضرت مولانا اپنی اس شفقت کا اظہار مادی شکل میں بھی کرتے تھے، کبھی سو روپئے، کبھی دو سو روپئے، کبھی پانچ سو روپئے بھی حضرت نے دیئے، بلکہ جب راقم کی کتاب ''ریاض البیان فی تجوید القرآن'' چھپ رہی تھی، اس کی طباعت میں بھی حضرت نے حصہ لیا۔

حضرت مولانا سے بیعت

راقم کے شیخ ومرشد حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری رحمہ اللہ (م ۷رمضان ۱۴۱۶ھ) کے انتقال کے بعد ۲۳رشوال ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۴رمارچ ۱۹۹۶ء جمعرات کو لکھنؤ سے رائے بریلی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی، حضرت مولانا نے شفقت فرمائی، اور ۲۴رشوال جمعہ کو جمعہ کی نماز سے پہلے سلاسل اربعہ نیز حضرت سید احمد شہید کے سلسلہ میں بیعت فرمایا اور دعا فرمائی، اس کے بعد حضرت مولانا کی شفقتیں دن بدن بڑھتی گئیں۔

حضرت مولانا کی امامت کی سعادت

اخیر میں جب حضرت مولانا علیل تھے اور مسجد میں جانے سے معذور تھے، اس لئے قیام گاہ پر مہمان خانہ میں ہی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے، تین وقتوں کے نماز کی امامت کی توفیق اللہ تعالیٰ نے راقم سطور کو دے رکھی تھی اور دو وقتوں کی ہمارے ایک ساتھی مولوی معاذ احمد کاندھلوی کو، اس طرح حضرت مولانا کو بڑے اہتمام واشتیاق سے نماز پڑھاتا تھا، جس پر کبھی حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) مزاحاً فرماتے کہ ''آپ امام المتقین ہیں اور ہم امام الناس ہیں''۔

حضرت مولانا نے راقم کا نکاح پڑھایا

حضرت مولانا کو راقم کے نکاح کی بڑی فکر تھی، کئی مرتبہ اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا، ایک مرتبہ یہ پروگرام بنا کہ ۲۳رنومبر ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا رائے پور تشریف لے جائیں گے، اور پھر نکاح پڑھانے کے لیے راقم سطور کے غریب خانہ پر حاضر ہوں گے، ٹکٹ بن چکا تھا، احقر ایک روز قبل لکھنؤ سے وطن پہنچ گیا تھا، جس روز حضرت مولانا کو سہارنپور کے

لیے سوار ہونا تھا، اس روز سے پہلے ۲۲/۲۳رنومبر کی شب میں حضرت مولانا کی قیام گاہ پر رائے بریلی میں حکومت کے لوگوں نے چھاپا مارا، یہ ایک بہت شنیع اور قابل مذمت سازش تھی، جو حضرت مولانا کے وندے ماترم کے خلاف سخت بیان دینے کی پاداش میں رچی گئی تھی، چنانچہ حضرت کے متعلقین کے مشورہ سے سہارنپور کا یہ پروگرام کینسل ہو گیا کہ ممکن ہے سفر کے دوران ٹرین میں کوئی ناشائستہ واقعہ پیش آجائے، کیونکہ سہارنپور کے سفر کی شہرت ہو چکی تھی، چنانچہ راقم کو ایک ساتھی نے فون سے اطلاع کی کہ حضرت کا پروگرام کینسل ہو گیا۔

پھر آئندہ سال علالت کے زمانہ میں حضرت نے نکاح کی بات کی تو یہ طے ہوا کہ لڑکی کے والد اور راقم کے والد ندوہ آجائیں اور حضرت مولانا نکاح پڑھائیں گے، چنانچہ حضرت مولانا نے احقر کا نکاح پڑھایا، جس میں ندوہ کے اہم اساتذہ اور حضرت کے خدام اور ناکارہ کے بعض دوست بھی شریک تھے، حضرت مولانا نے ولیمہ کے سلسلے میں ایک رقم عنایت فرمائی تھی کہ ولیمہ ہماری طرف سے ہوگا، چنانچہ ولیمہ کے کھانے میں بھی حضرت مولانا نے پرہیز کے باوجود شرکت فرمائی۔

نکاح کی تاریخی حیثیت

حضرت مولانا نے نکاح کے وقت جو خطاب کیا، اس کی حیثیت تاریخی ہے کیونکہ علالت سے صحت یابی کے بعد حضرت مولانا نے سب سے پہلے اس نکاح کے موقع پر ہی خطاب کیا، جو تعمیر حیات کے ۱۰رمئی ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا، جس پر حضرت مولانا کو چاروں طرف سے مبارکبادیں ملیں، حضرت نے فرمایا کہ نکاح تمہارا ہوا ہے اور مبارکبادیں ہمیں مل رہی ہیں، اس کے بعد تفصیل سے حضرت نے جون کے مہینے میں تبلیغی اجتماع میں اہم خطاب فرمایا تھا، اکثر لکھنے والے لوگوں نے اس اجتماع کی تقریر کا تذکرہ کیا

ہے، اورنکاح کی تقریب کے موقع پر جو خطاب ہوا، اس کو شخصی اور غیر اہم واقعہ سمجھ کر ذکر نہیں کیا، نکاح کی رپورٹ اور خطبہ نکاح تعمیر حیات سے بعینہٖ نقل کیا جارہا ہے۔

کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر اللہ دیکھ رہا ہے

صحت کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا پہلا خطبۂ نکاح

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی پر ۱۸؍مارچ ۱۹۹۹ء بروز جمعرات فالج کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے حضرت تقریر وتحریر اور مطالعہ سے معذور ہوگئے تھے، الحمدللہ اب حضرت روبہ صحت ہیں، صحت کے بعد حضرت نے ۹؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز پیر بعد نماز مغرب مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کی تقریب نکاح کے موقع پر پہلی مرتبہ نکاح پڑھایا اور پورے جوش کے ساتھ قرآنی آیات کی تشریح کی جو ہدیہ ناظرین ہے، اس تقریب کے موقع پر مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی، مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی، مولانا سعیدالرحمٰن صاحب اعظمی ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید واضح رشید ندوی، اور مولانا شمس الحق ندوی کے علاوہ اساتذہ وطلباء کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔

خطبہ نکاح

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍوَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ وَّدَعَابِدَعْوَتِھِمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَمَّابَعْدُ! فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ،یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَارِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَام اِنَّ اللّٰہَ

کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔(۱)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔(۲)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْفَازَفَوْزًاعَظِیْمًا۔(۱)

یہ تین آیتیں نکاح کے مقتضیات اور نکاح کے عقد صحیح اور ان سب کے اسلامی فرائض کے متعلق ہیں، ان سے بہتر کوئی خطبہ اور دنیا میں اجتماعیات اور جنسیات اور اخلاقیات کے ماہرین جمع ہوں تو اس سے بہتر پیغام نہیں دے سکتے، یہ پوری ازدواجی زندگی کے لیے ہدایات اور پیغام ہے۔

پہلی آیت سورہ نساء کی آیت ہے، اس سورۃ کا نام جس مناسبت سے رکھا گیا ہے، اس سے عورت کا درجہ معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے ’’اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو پیدا کیا ایک اکیلی جان سے، اس میں ایک فال نیک ہے، خوشخبری ہے کہ اکیلی جان سے اگر اتنی بڑی ذریت پیدا ہوسکتی ہے جو سارے عالم کو آباد کرے گی تو ڈرو اس پروردگار سے جس نے اکیلی جان سے پیدا کیا، پھر اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر اس جوڑے کے ملنے سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دیا اور روئے زمین کو ان سے بھردیا، ’’وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامِ‘‘ اس اللہ سے ڈرو، جس کے نام پر تم نے اتنا بڑا سوال کیا، یعنی ایک شریف گھرانے کی دختر کا مانگنا، ایک اللہ کے نام لینے کی برکت سے اور اس پر بھروسہ کر کے ہی ہوسکتا ہے، یہ اصل میں اس کے نام سے اتنی بڑی چیز حاصل کی اور اتنا مشکل کام آسان کردیا تو آئندہ اگر کچھ ہوجائے تو اس کو بھولنا نہیں ’’وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامِ‘‘ اپنے رشتوں کو نہ بھلانا، نیا رشتہ ہورہا ہے، لیکن ماں ماں ہے، باپ باپ ہے اور بہن بہن ہے، بھائی بھائی ہے اور سب کے حقوق

(۱)سورۂ نساء آیت نمبر۱ (۲)سورۂ آل آیت ۱۰۲۔ (۳)سورۂ احزاب آیت ۷۰/۷۱۔

الگ الگ ہیں ”وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً“ اورتم یہ کہو کہ کون دیکھتا ہے، کون جانتا ہے جو چاہیں کریں، بے شک اللہ تم پر رقیب اور نگراں ہے، ایسا نہیں کہ جب مجلس منتشر ہوگئی تو پھر ہر ایک آدمی جو چاہے کرے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے اور یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے، کوئی دنیا میں ایسے موقع پر، ایسے مبارک موقع پر جب شادی کی مسرت اور مبارک باد کا موقع ہوتا ہے تو اس موقع پر زندگی کے ایام کو یاد کرنے اور ایمان پر خاتمہ ہونے کی کوشش کا ذکر خدا کے پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا۔

”اے لوگو! ڈرو اللہ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا، مت جانا اس دنیا سے مگر ایمان کے ساتھ، یہ رشتہ مبارک، یہ تقریب مبارک، یہ شادی مبارک، لیکن اس کو یاد رکھو کہ جب اس دنیا سے جاؤ، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کا کلمہ پڑھتے ہوئے جاؤ، یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا“۔

تیسری آیت سورۂ احزاب کی آیت ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے اور مہر قبول کرنے سے پہلے، اس کے ادا کرنے کا وعدہ کرنے سے پہلے، اللہ تعالی فرماتا ہے ”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ”قُولُوا قَولاً سَدِیداً“ سچی اور پکی بات زبان سے نکالو، یہ نہ سمجھو کہ پہلے کہہ دیا کہ ہاں ہم نے اتنا مہر قبول کیا، کون پوچھتا ہے، کون دیکھتا ہے، اور اگر واقعی ذہن میں یہ ہے، کون دیکھے گا تو ”اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً“ اللہ دیکھنے والا ہے اور اللہ ہی تمہارا نگراں اور رقیب ہے۔(۱)

نکاح تمہارا ہوا اور مبارکبادیں ہمیں مل رہی ہیں

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی تعمیر حیات ۱۰/مئی ۱۹۹۹ء کے شمارے میں ”حضرت

(۱) تعمیر حیات شمارہ ۱۰/مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۴/۱۳۔

مولانا کی علالت وصحت یابی چند جھلکیاں“ میں لکھتے ہیں ”اللہ کے فضل وکرم سے حضرت مدظلہ کی طبیعت اتنی بہتر ہوگئی کہ قلم چلانے لگے اور مسلم پرسنل لابورڈ ممبئی کے اجلاس کے لیے خطبہ صدارت بھی مرتب کرایا، اور اب خط بھی املا کرانے لگے ہیں، پہلا خط علالت کے ٹھیک چالیس دن ہونے پر اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے بھانجے مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ کو سرگودھا پاکستان املا کرایا، اور اللہ کے فضل وکرم سے اس کے دوسرے ہی دن وہ وقت بھی آیا کہ حضرت مدظلہ نے یوم عاشورہ کو ایک نکاح پڑھایا اور مختصر سی تقریر بھی فرمائی، جو صاف سمجھی اور سنی گئی، یہ نکاح دارالعلوم کے فضیلت کے ایک طالب علم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کا تھا، تقریب بڑی سادہ تھی، دیکھ کر ہر ایک کا دل خوش ہوگیا، لڑکی اور لڑکے کے باپ اور ان کے ساتھ ایک دو لوگ اور موجود تھے، باقی حضرت کے حاضر باش اور نوشہ میاں کے خاص متعلقین تھے، شونمائش کی کوئی چیز نظر نہیں آئیں، بعد میں جسے معلوم ہوا کہ حضرت مدظلہ نے نکاح پڑھایا اور تقریر بھی فرمائی، مسرت وخوشی سے جھوم اٹھا، جناب عشرت علی صدیقی صاحب سابق ایڈیٹر ”قومی آواز“ لکھنؤ، جو حضرت کے بڑے عاشق زار ہیں، عرض کرنے لگے کہ حضرت اب تو ہم مٹھائی کھائیں گے، اور حضرت نے ان کا منھ میٹھا بھی کیا، بعد میں نوشہ میاں سے مخاطب ہوکر حضرت فرمانے لگے، نکاح تمہارا ہوا ہے اور مبارکبادیں ہمیں دی جارہی ہیں۔(۱)

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب تنہائی یا یکسوئی میں ہوتے، یا کوئی خاص تحریر لکھوانا چاہتے اور کوئی پاس بیٹھا ہوا ہوتا تو معذرت کے انداز میں فرماتے کہ ابھی ہم مشغول ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آپ حضرات اس وقت تشریف لے جائیں، ایسے موقع پر

(۱) تعمیر حیات ۱۰/مئی ۱۹۹۹ء

بعض مرتبہ یہ نامہ سیاہ بھی ہوتا، تو حضرت فرماتے کہ آپ سے کوئی حرج نہیں، عشاء بعد حضرت کی مجلس ہوتی تھی، کبھی احقر کا تاخیر سے پہنچنا ہوتا جب کہ کمرہ طلبہ سے بھر چکا ہوتا، تو راقم چپکے سے پیچھے بیٹھ جاتا، جیسے ہی حضرت کی نظر پڑتی تو فوراً فرماتے آپ یہاں آگے آجایئے، اور اپنے پاس بٹھاتے، راقم شرم سے پانی پانی ہوجاتا، رات میں لیٹنے کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور چپکے سے پیر دبانے شروع کرتا، حضرت کو احساس ہوجاتا، فوراً فرماتے کہ نہیں آپ نہیں، آپ ہاتھ دبایئے، اور پھر پڑھتے ''دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست'' پیر دبوانا پسند نہ فرماتے تھے، یا تو ہاتھ یا پھر سر میں مالش کا موقع دیتے تو مالش کرتا، بعض مرتبہ عزیزی کی نسبت معلوم کرتے تو بندہ بتلاتا کہ دادا کی طرف نسبت ہے، جن کا نام عبدالعزیز تھا، پھر فرماتے کہ آپ ہمارے بھی عزیز ہیں، بعض ساتھیوں کا کوئی اہل تعلق آتا، اور وہ حضرت کے پاس جاکر بتلاتا کہ ہم مسعود عزیزی کے اہل تعلق یا عزیز ہیں، تو حضرت فرماتے کہ آپ ہمارے بھی عزیز ہیں، اور ان کی حسب موقع خاطر و تواضع کرتے تھے، ہمارے علاقے کے جن مدارس کے لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت مولانا سے اس نامہ سیاہ کا کافی تعلق ہے، تو وہ لوگ حضرت مولانا کی عربی میں تصدیق لینے کے لیے اس نامہ سیاہ ہی کو واسطہ بناتے، احقر حضرت سے درخواست کرتا تو فوراً راضی ہو جاتے اور تصدیق لکھ دیتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ چونکہ لوگ ہماری تصدیق خلیجی ممالک میں لے جاتے ہیں اور ہم سب کو لکھ دیتے ہیں، اس لیے ہماری تصدیق کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں رہے گی، مگر چونکہ آپ کہہ رہے ہیں اس لیے آپ کو انکار نہیں کیا جاسکتا، حضرت مولانا کی یہ شفقتیں جیسے مجھ سیہ کار پر تھیں، راقم سمجھتا ہے کہ حضرت مولانا کا معاملہ سب کے ساتھ ایسا ہی تھا، اور ہر اہل تعلق یہی سمجھتا ہے کہ حضرت کی مجھ پر بہت شفقتیں اور عنایتیں تھیں، کبھی تنہائی میں ہوتے، تو فرماتے رہتے ''لَسْتُ بِشَیٍٔ لَسْتُ بِشَیٍٔ'' میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں، اپنی اور انا کی نفی کرتے رہتے، اور اللہ تعالی کے شکر سے زبان معمور رہتی۔

22

راقم کی کتابوں پر مقدمے

حضرت مولانا اس حقیر کی کتابوں پر بڑے تفصیل سے مقدمے تحریر فرماتے، آٹھ کتابوں پر مقدمے لکھے، تین کتابوں پر عربی میں اور باقی کتابوں پر اردو میں، حضرت مولانا سے جب بھی کسی کتاب پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی تو حضرت نے کبھی انکار نہیں کیا، حضرت مولانا نے وفات سے قبل راقم کی کتاب ''التدخین بین الشرع والطب'' پر مقدمہ تحریر فرمایا، تو مقدمہ کو خود پڑھ کر انگلی ہلا ہلا کر سنایا، اور پھر فرمایا کہ اب چند سال کے لیے تصنیف وتالیف موقوف کر دیجئے، مطالعہ میں گہرائی اور دقت نظر پیدا کیجئے، عموماً حضرت حکماً کسی کو کوئی بات نہیں کہتے تھے، مگر راقم پر شفقت کی وجہ سے مقدمہ لکھنے سے پہلے بھی اور مقدمہ لکھنے کے بعد بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے سات سال تک اس نامہ سیاہ کی کوئی نئی تصنیف یا کتاب نہیں آئی، جو کتابیں پہلے لکھی ہوئی تھیں جن کی تعداد ۱۵/ ہے، ان کی طباعت کی حضرت نے اجازت دیدی تھی، مگر سات سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بعض مخلص دوستوں کی طرف سے اشارے ہونے لگے کہ اب تو چند سال ہوگئے، اس لیے تصنیف وتالیف شروع کر دیجئے، مگر اس کی ہمت نہ ہوئی، لیکن شروع شوال ۱۴۲۸ھ میں مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی خدمت میں تکیہ کلاں رائے بریلی حاضر ہوا، تو حضرت مولانا سے تصنیف وتالیف کی اجازت چاہی، چنانچہ حضرت مولانا نے اجازت مرحمت فرمائی اور دعائیں دیں۔

حضرت مولانا سے حدیث کی سند اور اجازت

حضرت مولانا سے ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ میں ایک روز مغرب بعد دارالعلوم دیوبند کے بعض طلبہ کے ساتھ حدیث کی اجازت لی، حضرت مولانا کا اوائل صحاح ستہ پڑھا کر

سندحدیث دینے کا معمول تھا، چنانچہ اس نامہ سیاہ نے بھی اوائل کے بعد سند حدیث لی اور حضرت مولانا نے اپنے دستخط کے ساتھ صحاح ستہ کی سندعنایت فرمائی، اگر چہ اس سے قبل عالمیت کے اخیر سال عالیہ رابعہ میں حضرت مولانا سے جامع ترمذی کی سند لے چکا تھا، اور جب ندوہ کے فضیلت دوم کے طلبہ ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷/ستمبر ۱۹۹۹ء پیر کو حضرت مولانا سے صحاح ستہ کے اوائل پڑھنے اور اجازت حدیث حاصل کرنے کیلئے رائے بریلی گئے، ان میں راقم بھی تھا، چونکہ حضرت مولانا فضیلت دوم کے طلبہ کو اپنی بعض اہم کتابوں کا بھی درس دیتے تھے، اس لیے مختلف اوقات میں حضرت مولانا نے مختلف کتابوں کے درس بھی دیئے، بعض کتابوں کی عبارت پڑھنے کی احقر کو بھی سعادت حاصل ہوئی، صحاح ستہ کا درس ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ یکم اکتوبر بروز جمعہ بوقت صبح ہوا، صحاح کی عبارت خوانی میں نامہ سیاہ نے ترمذی کی عبارت پڑھی، باقی کتابوں کی دوسرے ساتھیوں نے پڑھی، اور پھر حضرت مولانا نے تمام رفقاء درس کو صحاح ستہ کی اجازت اور سندعطا فرمائی۔

ایک مقالہ لکھنے پر حضرت کی طرف سے انعام

ہمارے ساتھی چونکہ مختلف تخصصات کے تھے، اس لیے سبھی ساتھیوں کو ان کے تخصصات کے پیش نظر جمعرات کو مقالات لکھنے کے لیے عناوین دئے گئے، احقر تخصص فی الفقہ والافتاء کے شعبہ میں تھا، اس لئے ہمیں ''فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات'' پر لکھنے کے لیے عنوان دیا گیا، چنانچہ راقم نے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ''مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا''(۱) عربی میں ایک مقالہ لکھا، تمام مقالات جب پیش ہوئے تو جن کے مقالات

(۱) یہ مقالہ عربی میں مستقل کتابی شکل میں مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا، اور پھر ''البعث الاسلامی'' لکھنؤ سے اور ''النور'' اکل کوا سے دوقسطوں میں شائع ہوا، پھر اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ نقوش اسلام میں دوقسطوں میں شائع ہوا، اور مستقل رسالہ کی شکل میں بھی مرکز سے شائع ہوا۔

پسند کیئے گئے ان کو حضرت مولانا نے سوسو روپئے انعام دئے، چنانچہ راقم کو بھی حضرت مولانا کے دست مبارک سے اس مقالہ پر سو روپئے کا انعام ملا، ۱۹/ جمادی الثانیہ بروز جمعرات بعد نماز مغرب دارعرفات میں پروگرام تھا تو حضرت مولانا نے رائے بریلی کے لوگوں کو حضرت سید احمد شہیدؒ کا پیغام سنایا اور ان کے کارناموں کی طرف رہنمائی فرمائی، گویا کہ وہ سید احمد شہید کی زبان میں حضرت مولانا کا بھی آخری پیغام تھا۔

حضرت مولانا کی وفات

حضرت مولانا کی طبیعت چونکہ ۱۸/ مارچ ۱۹۹۹ء سے علیل چل رہی تھی، کچھ افاقہ ہوگیا تھا، اب کہ رمضان خلاف معمول لکھنؤ میں گذارنے کا پروگرام تھا، جب شعبان میں سالانہ امتحان ہورہے تھے، ایک روز حضرت مولانا نے فرمایا کہ اپنے علاقہ میں رہنا پسند کروگے یا یہاں ندوہ میں، پہلے تو احقر خاموش رہا، پھر عرض کیا کہ حضرت ابھی تو وقت ہے، بتلادوں گا، اس کے بعد چھٹی ہوئی تو حضرت مولانا نے راقم سے فرمایا کہ رمضان میں ہمارے ہی پاس رہنا، حضرت مولانا عام طور سے اس طرح حکم نہیں فرماتے تھے، اور یہ نامہ سیاہ بھی ہر سال رمضان رائے پور میں گذارتا تھا اور قرآن شریف سناتا تھا، مگر حضرت مولانا کے حکم کی بنا پر رمضان سے ایک روز قبل حضرت کی خدمت میں لکھنؤ پہنچ گیا، ہمارے ایک ساتھی نے قرآن شریف سنایا، مہمانوں کی کثرت تھی، حضرت مولانا کی صحبتوں، مجلسوں اور خدمت سے فائدہ اٹھایا اور حضرت کی نوازشوں کی برابر بارش ہوتی رہیں، یہاں تک کہ دوسرے یا تیسرے روزہ ہی میں نامہ سیاہ کو عید کے کپڑوں کے لیے ۵۰۰/ روپئے عنایت فرمائے، کھانا حضرت کے ساتھ ہی ہوتا، مگر پھر حضرت مولانا کے ساتھ دسترخوان پر مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے نامہ سیاہ عام مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے لگا، جس پر حضرت نے فرمایا کہ اچھا افطاری تو ہمارے ساتھ ہی کیا کرو، اس طرح

۱۹؍رمضان تک حضرت مولانا اور حضرت کے اہل تعلق مہمانان لکھنؤ میں مقیم رہے، پھر ایک قافلے کے ساتھ رائے بریلی گئے، وہاں خانقاہ کا نظام حسب معمول شروع ہوگیا کہ ۲۲؍رمضان ۱۴۲۰ھ ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو حسب معمول تراویح و مجلس ہوئی، صبح سحری کھائی، سحری کے دستر خوان پر حضرت مولانا اور راقم کے درمیان حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی تھے، پھر نماز فجر کے بعد حضرت آرام کے لیے لیٹ گئے، نامہ سیاہ نے بائیں پیر میں تیل لگا کر مالش کی، حضرت مولانا رابع صاحب حسب معمول رات میں نیند کی کیفیت معلوم کرنے آئے، حضرت نے اطمینان دلایا اور خدا کا شکر ادا کیا، صبح میں تمام معمولات پورے کیے، حجامت کے بعد غسل کیا، غسل سے فراغت کے بعد سورہ کہف پڑھنے کے لیے قرآن کریم طلب کیا، مگر خود ہی سورہ یٰسین شریف پڑھنی شروع کردی اور "فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ عَظِيْمٍ" پر پہنچ کر واصل بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نامہ سیاہ حضرت کی خانقاہ کے اوپر والے کمرہ میں تھا، ایک ساتھی نے جا کر اطلاع دی کہ حضرت کی طبیعت زیادہ خراب ہے، دعاؤں میں مشغول ہوجاؤ، احقر دعاء میں مشغول ہوگیا، پھر صبر نہ ہوا تو فوراً نیچے آیا، تو معلوم ہوا کہ حضرت تو سفر آخرت پر جاچکے، اچانک ایسا لگا کہ سب کچھ چھن گیا یا غائب ہوگیا، اور زمین پیروں کے نیچے سے کھسک گئی، مگر حضرت انسان کی وقعت ہی کیا ہے، پانی کے بلبلہ کی طرح، اس لیے تحمل کی کوشش کی، پھر رات میں عشاء اور تراویح کے بعد حضرت کی تدفین ہوئی، اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کریں، اگلے ہی روز گھر آگیا، اور یہی عالم رہا، اب بھی حالت ایسی ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا کی جو قدر کرنی چاہئے تھی اور جو استفادہ کرنا چاہئے تھا، وہ اپنے لاابالی پن اور طالب علمی کی بے شعوری میں نہ کرسکا، اور اس کا اندازہ بھی نہ تھا کہ حضرت مولانا اس طرح سے اچانک جدا ہوجائیں گے، اب عام طور سے اکثر حضرت مولانا خواب میں آتے رہتے ہیں، مگر جب بھی خواب میں آتے ہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت

زندہ ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا صدیقین، شہداء اور صالحین کے زمرے میں ہیں اور اپنی دینی خدمات کی بنا پر زندہ ہیں، اللہ تعالی حضرت مولانا کے ساتھ حشر فرمادے اور ان کے مشن اور فکر کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ایک شاعر نے آپ کی وفات پر کہا ہے۔ ؎

بائیس ماہ رمضاں مبارک جمعہ کا دن　　بعد زوال پورا ہوا با صفا کا دن
قرآن پڑھتے پڑھتے وہ خاموش ہوگیا　　جا کے خدا کے سائے میں روپوش ہوگیا

گونجی خبر یہ ہوگیا ہر سمت پر ملال
سید ابوالحسن علی ندوی کا انتقال

تیسرا باب

راقم کے نام

حضرت مفکر اسلام کے مکتوبات

تیسرا باب

راقم کے نام حضرت مفکر اسلام کے مکتوبات

تمہید

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی مولانا علی میاں صاحب کے نام سے جامعہ بیت العلوم پپلی مزرعہ (ضلع یمنا نگر، ہریانہ) کی طالب علمی کے زمانہ میں غالباً ۱۹۹۰ء کے بعد ہی سنا تھا؛ لیکن اس وقت زیادہ معلومات اور حضرت کی شخصیت کا کچھ اندازنہیں تھا اور اتنا زیادہ شعور بھی نہ تھا، البتہ رائے پور مدرسہ فیض ہدایت رحیمی میں جب شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں داخلہ لیا اور وہاں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ وخادم خاص حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنے کا موقع نصیب ہوا، تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا علی میاں لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کے ناظم ہیں اور حضرت رائے پوری کے خلیفہ ہیں اور ایک بزرگ ہیں، چونکہ رائے پور میں آنے کے بعد بزرگوں کے حالات معلوم کرنے سے دلچسپی ہوگئی تھی اور اللہ والوں سے رابطہ، ان سے ملاقات اور ان سے خط وکتابت کا ذوق بھی ہوگیا تھا اور رائے پور کا ماحول، وہاں کی روحانی فضا، وہاں کی آب وہوا کی تاثیر عملی زندگی کے لیے مہمیز کا کام کرنے لگی اور ہندوستان کے جتنے بزرگوں کا علم ہوتا گیا، عقیدت میں نیاز مندانہ، دعاؤں کے لئے خطوط لکھنے شروع کر دیئے اور سب کو جوابی کارڈ لکھے، سبھوں کے جواب آئے، اور جیسے بزرگوں کے تذکرے، ان

کی تصنیفات وملفوظات اوران کے واقعات وحالات ، انسانی زندگی میں مؤثر ثابت ہوتے ہیں اورجن سے ایک نئی روح، نیا جذبۂ عمل وشوق پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ان کے مکتوبات اورخطوط بھی بابرکت ہوتے ہیں اوران سے قاری کوروحانی غذا ملتی ہے، قلبی سکون وراحت نصیب ہوتی ہے، چنانچہ حضرت مولانا کوبھی ایک تعارفی خط تحریرکیا، جس میں رائے پور میں عربی دوم میں داخلہ کی اطلاع دی اور زیرِ درس کتابیں تحریرکیں اور پھر دعاؤں کی درخواست کے ساتھ حضرت سے نصیحت طلب کی، جس کا جواب مندرجہ ذیل آیا:

مکتوب نمبر (۱)

۷رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ لکھنؤ

عزیز گرامی سلمہ اللہ تعالی

آں عزیز کا خط ملا، مسرت ہوئی، درسی استعداد کی طرف توجہ کریں، صرف ونحو کی خامی کودورکرنے کی طرف دھیان دیں، سیرت نبویؐ اورصحابہ کرام کی سیرت سے متعلق کتابیں مطالعہ میں رکھیں، نمازاوردعاؤں کا اہتمام، اپنے اساتذہ کی اطاعت اوران کا احترام، اللہ تعالی مدد فرمائے گا اورمشکلات دورہوں گی۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

اس کے بعد حضرت کی خدمت اقدس میں دوسرا عریضہ تحریرکیا، اس میں حضرت سے اپنی محبت وتعلق اورعقیدت کے جذبات کے ساتھ لکھا کہ حضرت کوئی نصیحت فرمادیں اوردعا کی درخواست کی، اس کا جواب حضرت کی طرف سے یہ آیا:

مکتوب نمبر (۲)

۱۳رمئی ۱۹۹۲ء لکھنؤ

عزیزی سلمہ اللہ تعالی......دعائیں

سلام مسنون!

آں عزیز کا خط ملا، آپ کے احساسات اورمحبت وخلوص کے جذبات معلوم کرکے مسرت ہوئی، اللہ تعالی آپ کوتمام نیک مقاصد میں کامیاب کرے، محنت سے تعلیم حاصل کریں، نمازاوردعاؤں کا اہتمام کریں، مطالعہ کرکے درجہ میں جایا کریں، نیت یہ رکھیں کہ دین کا علم اللہ اوراس کے رسول کوراضی کرنے اوردوسروں تک دین کا پیغام پہنچانے کے لیے حاصل کررہے ہیں، اپنے اساتذہ کا احترام اوران کی اطاعت کریں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

بقلم نذر

یہ دوخطوط آنے کے بعد حضرت کی زیارت وملاقات کا شوق غالب ہوا، اس خواہش کے اظہار میں حضرت کوپھرایک جوابی خط تحریرکیا، ڈاک کی خرابی کی وجہ سے شاید وہ حضرت کونہیں ملا، جس کی وجہ سے حضرت کی طرف سے جواب نہ آیا، لیکن دوبارہ خط لکھا اوراس خط کا ذکرکرنے کے بعد اجازت چاہی کہ حضرت شعبان کی سالانہ چھٹی میں لکھنؤ آپ سے ملاقات کے لیے آنے کا ارادہ ہے، جس کا جواب یہ آیا:

مکتوب نمبر (۳)

باسمہٖ تعالیٰ

۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ

عزیز ومکرم......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲۷/ جمادی الاولیٰ کا خط ملا، رائے پور کا پتہ دیکھ کر مسرت وسعادت حاصل ہوئی، آپ کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عالم باعمل اور دین کا داعی اور نمونہ بنائے، اس سے پہلے کوئی جوابی خط یاد نہیں، شعبان میں آپ آسکتے ہیں، پہلے سے مقام معلوم کرلیں تو اچھا ہے۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

بلال

رائے پور میں طالب علمی کا میرا دوسرا سال تھا، عربی سوم میں کافیہ پڑھ رہا تھا، اور چھٹی کے وقت میں اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری خلیفہ حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہتا تھا اور حضرت حافظ صاحب کو پانچوں وقت کی نمازیں پڑھایا کرتا تھا، چونکہ وہ ایک عرصہ سے معذوری کی بناء پر۔ مسجد میں سوائے جمعہ کی نماز کے نہیں جاتے تھے۔ اپنی قیام گاہ پر ہی نماز ادا کرتے تھے، آنے والے زائرین ومہمانوں کو مسجد میں بھیج دیا کرتے تھے اور چند خدام کے ساتھ حضرت نماز پڑھتے تھے، امامت اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مقدر کررکھی تھی، اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے تھے، جو حضرت حافظ صاحب کی شخصیت کے گویا قائل یا معترف نہیں تھے، میں نے یہ بات حضرت مفکر اسلام کی خدمت میں تحریر کی اور اس سلسلہ میں معلوم کرنا چاہا، دوسرے مدرسہ فیض ہدایت

رحیمی رائے پور میں تمام اضلاع اور صوبوں کے طلبہ کی مختلف انجمنیں قائم تھیں، طلبہ یوپی کی کوئی انجمن نہیں تھی، تو احقر نے اپنے بعض احباب کو لے کر طلبہ یوپی کی ایک انجمن شوال ۱۴۱۳ھ میں قائم کی، جس کا نام ''انجمن تنظیم البیان'' طلبہ یوپی رکھا اور اس کی تقریری سرگرمیاں شروع کردی، اس کی اطلاع بھی حضرت مفکر اسلام کو دی اور دعا کی درخواست کی، اور اپنے شعبان میں لکھنؤ نہ پہنچنے کے بارے میں تحریر کیا، نیز آئندہ موقع ملنے پر لکھنؤ کے سفر کے لیے لکھا، اس پر حضرت کا یہ مکتوب شرف صدور لایا:

مکتوب نمبر (۴)

۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ لکھنؤ

محبی مکرمی..................زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا، تعارف ویاد آوری سے مسرت ہوئی، حاضری ہوئی تو انشاء اللہ ملاقات ہوگی، حافظ (عبدالرشید) صاحب مدظلہ اپنی سہولت اور کمزوری کی بنا پر آپ کو اپنے ساتھ نماز کے لیے ہدایت فرماتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، حضرت (شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری) کے زمانے میں بھی ایسا ہوتا تھا، جب سہولت ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ میں یہاں یا رائے بریلی میں ہوں تو آپ آسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ طلبائے یوپی کی انجمن کو بھی کامیاب اور مفید بنائے، ہمیں بھی دعا میں یاد کرلیا کریں۔

والسلام

مخلص ابوالحسن علی ندوی

اس کے بعد ۱۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ م ۷/ جون ۱۹۹۳ء کو میرے بڑے بھائی ڈاکٹر مرغوب

عالم عزیزی اور بڑی بہن انیسہ خاتون کی شادی تھی، اس کی حضرت کو اطلاع دی اور یہ دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ شادی کی تقریب بخیر وعافیت اور سنت کے مطابق انجام کو پہنچائے اور اس میں برکت ہو، نیز طلبہ یوپی کی انجمن کی اچھی کارکردگی بھی تحریر کی تھی اور اس سلسلہ میں بھی دعا کی درخواست کی تھی، اس پر حضرت کا یہ محبت نامہ آیا:

مکتوب نمبر (۵)

باسمہٖ تعالیٰ

عزیزی مکرم وفقہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ مورخہ یکم ذی الحجہ کو ملا تھا، جواب میں تاخیر ہوئی، معاف کریں، امید ہے کہ اس خط کے پہونچنے تک تقریب سے فرصت ہوگئی ہوگی، یا تقریب کا زمانہ ہوگا، اللہ تعالیٰ بھائی اور بہن دونوں کی تقریبات سنت کے مطابق اور کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچائے اور برکت عطا فرمائے، اس سے خوشی ہوئی کہ طلباء کی انجمن اچھی طرح چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل عالم وعامل بنائے، ہمارے لیے بھی دعا کیجئے۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

بقلم خورشید انور ندوی

۲۳؍ذی الحجہ کو پھر حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور اپنے طبعی تقاضے کے پیش نظر، جس سے طبیعت میں بار بار تقاضہ ہو رہا تھا، کہ حضرت سے جا کر ملاقات کر لی جائے، ۲۶؍جون ۱۹۹۳ء کو لکھنو کا پروگرام بنایا اور اس کی اطلاع حضرت کو دی، اور ساتھ ہی اپنی کامیابی وترقی کی دعاؤں کی درخواست بھی کی، حضرت نے اس پر تحریر فرمایا:

مکتوب نمبر (۶)

باسمہٖ تعالیٰ

رائے بریلی ۲۱؍جون

محبّ عزیز............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ مورخہ ۲۳؍ذی الحجہ (۱۵؍جون) انہیں دنوں ملا، آپ جب بھی آئیں اور ملیں خوشی ہوگی، لیکن اطلاعاً عرض ہے کہ ۲۷؍جون کو پٹنہ کا سفر درپیش ہے، انشاء اللہ ۳؍۴؍دن کے بعد واپسی ہو جائے گی، اس لیے آپ ۲۶؍جون کو تکلیف نہ کریں، جولائی میں کسی وقت آ سکتے ہیں، پھر بھی پہلے اطمینان کر لیں کہ ہمارا کوئی سفر تو نہیں ہے، باقی آپ کی کامیابی اور ترقی کے لیے دعا ہے۔ والسلام

ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا سے ابھی تک غائبانہ محبت وعقیدت تھی اور حضرت کی خاص عظمت ذہن میں تھی، اتفاق سے گھر پر والد صاحب کے کاغذات میں سے حضرت مولانا کی کتاب ''جب ایمان کی بہار آئی'' جواب ''جب ایمان کی باد بہاری چلی'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، ملی، یہ حضرت مولانا کی مجھے پہلی تحریر یا کتاب ملی، اس لیے اس کو بہت غور اور دلچسپی سے پڑھا، اس میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور آپ کے مجاہد رفقاء کے ایمان افروز حالات ہیں، اس کو پڑھ کر طالب علمانہ چند سوالات ذہن میں آئے، ایک تو یہ کہ ''دائرہ شاہ علم اللہ'' کیا ہے، دوسرے سید صاحب، مجاہدین ومریدین کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ جو سفر میں ساتھ رہتے، ان کے نان نفقہ کا کیا انتظام تھا، تیسرے وہ جنگ کیسے لڑتے تھے، چوتھے ان کے مزید حالات کا کیسے علم ہوگا، یہ سوالات حضرت مولانا کی خدمت میں تحریر کر دئے، اتفاق سے حضرت مولانا ایک طویل بیرونی سفر پر جا چکے تھے، اس لیے حضرت

کے معتمد مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے اس خط کا جواب دیا، اس کو حضرت ہی کا خط سمجھ کر نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب نمبر (۷)

۷۸۶

۱۳/۸/ ۱۹۹۳ء لکھنؤ

مکرمی زید لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے نام ایسے وقت موصول ہوا جب کہ موصوف ایک طویل بیرونی سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔

۱- دائرہ شاہ علم اللہ اس چھوٹی بستی کا نام ہے، جو سید صاحب کے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ کے نام پر بسی ہے، انہوں نے ہی اس کو آباد کیا تھا، بستی سئی ندی کے کنارے پر ہے، اس میں مسجد اور چند مکانات سادات کرام کے ہیں۔

۲- کھانے خرچے کا نفقہ انہی کے ذمہ تھا۔

۳- ہر زمانہ میں جنگ حالات کے تقاضوں کے مطابق لڑی جاتی ہے۔

۴- آپ سیرت سید احمد شہید اور تذکرہ شاہ علم اللہ کا مطالعہ کریں۔ والسلام

نذر

۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ کو پھر حضرت کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا اور لکھنؤ حاضری کی اجازت چاہی، حضرت مولانا نے اپنے پروگرام کے متعلق تحریر کیا اور نومبر میں اپنے لکھنؤ یا رائے بریلی کے قیام کے متعلق تحریر کیا، چنانچہ احقر لکھنؤ پہنچا، حضرت مولانا سفر سے واپس آئے تو ملاقات ہوئی، تعارف ہوا، فوراً حضرت حافظ عبد الرشید صاحب کے

متعلق دریافت فرمایا کہ ان کے تو دعوتی سفر ہوتے رہتے ہوں گے، نیز وہ تو ذکر واذکار میں بھی مشغول رہتے ہوں گے، ہمارے سے تو کچھ ہوتا نہیں، یہ حضرت مولانا سے ۸/ خطوط کے جوابات کے بعد پہلی ملاقات تھی، طبیعت خوش ہوگئی، نیز اس سفر میں ہردوئی میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے ملاقات واستفادہ کیا اور اسی سفر میں باندہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا، حضرت قاری صاحب نے خاص شفقت فرمائی، اپنے درس میں بٹھایا، واپسی میں مدرسہ شاہی مراد آباد میں حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب مہتمم مدرسہ شاہی سے ملاقات کے لیے ٹھہرا، مگر حضرت مولانا کسی سفر پر تھے، ملاقات نہ ہو سکی، حضرت مفکر اسلام نے جو خط تحریر کیا تھا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

مکتوب نمبر (۸)

باسمہٖ تعالیٰ

۱۸/۴/ ۱۴۱۴ھ لکھنؤ

محبی ومکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ مورخہ ۱۳/ ربیع الثانی کو ملا، خوشی ہوئی، آپ سکون سے آ سکتے ہیں؛ لیکن ٹیلیفون یا خط سے یہ اطمینان کر لیں کہ ہم موجود ہیں، ایک اندرون ملک اور ایک بیرون ملک کا سفر درپیش ہے، نومبر میں امید ہے کہ لکھنؤ یا رائے بریلی میں رہنا ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام

۶/ اکتوبر ۹۳ء — دعا گو ابوالحسن علی ندوی

لکھنؤ سے واپسی کے کچھ روز بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دہلی تشریف لارہے ہیں اور شاید رائے پور بھی تشریف لائیں گے، مگر حضرت دہلی سے سیدھے لکھنؤ واپس ہوگئے، اس پر حضرت کو خط لکھا، اور اپنی محرومی اور حضرت کی رائے پور حاضری نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، دوسرے حضرت مولانا سے ایک اہم مسئلہ بھی دریافت کیا تھا، نیز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے متعلق بھی لکھا تھا، چونکہ اس سے ایک سال قبل اپنے شیخ ومرشد حضرت الحاج شاہ عبدالرشید صاحب رائے پوری سے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے متعلق اجازت چاہی تھی اس وقت میں عربی دوم رائے پور میں پڑھ چکا تھا، تو حضرت حافظ صاحب نے اجازت نہیں دی تھی، آئندہ سال پھر جب میں نے عربی سوم (کافیہ) رائے پور میں پڑھ لی اور ندوہ کا ماحول دیکھ چکا تھا، وہاں کی دینی، علمی اور روحانی فضاء سے متأثر تھا، تو حضرت حافظ صاحب سے لکھنؤ ندوہ میں داخلہ کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت حافظ صاحب نے اجازت دی اور فرمایا کہ ٹھیک ہے، میں علی میاں کو خط لکھتا ہوں، چنانچہ اس خط کے ساتھ میں نے حضرت مفکر اسلام کو خط تحریر کیا جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا:

مکتوب نمبر (۹)

باسمہٖ تعالیٰ

۱۹/۷/۱۴۱۴ھ مطابق ۲/جنوری ۱۹۹۴ء لکھنؤ

محبّ عزیز ومکرم زادہ اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۰/رجب ملا، ایک سفر کی وجہ سے جواب میں قدرے تاخیر ہوئی۔

مجھے بڑی ندامت ہے کہ میں جب ۶/۷/دسمبر کو دہلی گیا تھا تو رائے پور حاضر نہ ہوسکا، دہلی پہنچ کر اس کا احساس ہوا کہ کچھ حرارت رہتی ہے اور صحت بہت کمزور چل رہی ہے جس

مقصد کے لیے دہلی گیا، اس کے بھی بعض اہم جلسوں میں شریک نہ ہوسکا، دو ہی دن رہ کر لکھنؤ چلا آیا، اگر تنہا رائے پور ہی کی حاضری ہوتی تو شاید ہمت کر جاتا؛ لیکن ضلع مظفرنگر اور قریب کے مقامات کے کئی مدرسے اور دعوتی مراکز ہمیں دعوت دے رہے تھے اور وہ کسی طرح معاف نہ کرتے اس کی ہمت نہ تھی، سردی کم ہو جائے تو انشاء اللہ رائے پور حاضری دی جائے گی، باقی جو مسئلہ آپ نے پوچھا ہے وہ دارالعلوم دیوبند یا مظاہر علوم کے مفتی صاحبان سے رجوع کیا جائے، اس وقت تفصیل سے لکھنا مشکل ہے۔

جہاں تک دارالعلوم ندوۃ العلماء سے استفادہ کا تعلق ہے تو اگر آئندہ سال آپ کچھ ادب اور عربی زبان کی صلاحیت بڑھانے اور مطالعہ کے وسیع کرنے کے لیے دارالعلوم (ندوۃ العلماء) میں آجائیں تو انشاء اللہ مفید ہوگا، ہر طرح کا تعاون کیا جائے گا، باقی باتیں پھر زبانی ہوجائیں گی۔ والسلام

دعاگو

ابوالحسن علی ندوی

اس خط کے آنے کے بعد بہت خوشی ہوئی اور یہ طے کرلیا کہ انشاء اللہ عید کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچنا ہے، حضرت حافظ صاحب کو اس کی اطلاع دیدی، حضرت حافظ صاحب کے مشورے سے شعبان کے اخیر میں کلیر میں حضرت صابر صاحبؒ کے مزار پر جانے کا تقاضہ ہوا، تاکہ وہاں حاضری دی جائے اور ایصال ثواب کیا جائے، چنانچہ پروگرام یہ طے ہوا کہ روڑکی پہنچ کر حضرت حافظ صاحب کے ایک معتقد مرید جناب الحاج نور محمد صاحب جن کو ہم لوگ تحصیلدار کہتے تھے، وہ تحصیل روڑکی میں قانون گو کے عہدے پر رہ چکے تھے، اب ریٹائرڈ ہونے کے بعد بزرگوں کی خدمت میں رہنے اور ان سے استفادہ کرنے کا شوق ہوگیا تھا، اس لیے یہ طے ہوا کہ رات میں نور محمد صاحب کے یہاں قیام کیا جائے اور صبح کو ان کے ساتھ کلیر شریف میں حضرت پیران پیر صابر صاحبؒ

کے مزار پر حاضری دی جائے، نور محمد صاحب چونکہ وہاں سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے ان کا انتخاب ہوا، رات میں ان کے یہاں ایک خواب دیکھا اور صبح کلیر شریف حاضری ہوئی، واپس آنے کے بعد حضرت مفکر اسلام کو ایک جوابی خط لکھا، جوابی کارڈ پر حضرت حافظ صاحب کے پوتے منشی عتیق احمد کا نام لکھ دیا تھا، تا کہ ان کی معرفت خط مجھ کو مل جائے، خط میں کلیر کے سفر کا تذکرہ اور اپنا خواب تحریر کیا، نیز شوال میں لکھنؤ آنے کے متعلق بھی لکھا، جس پر حضرت کا یہ جواب آیا:

مکتوب نمبر (۱۰)

رائے بریلی ۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

محبی وفقہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک جوابی کارڈ ملا جو محمد مسعود مظفری کی طرف سے ہے، لیکن جوابی کارڈ میں دوسرا نام لکھا ہوا ہے، خط میں ایک طویل خواب لکھا ہے، وہ کوئی پریشان کن نہیں، آپ نے عید کے بعد شوال کے پہلے ہفتہ میں آنے کو لکھا ہے، آپ ٹیلیفون سے یا خط سے معلوم کر لیجیے گا کہ ہم لکھنؤ میں موجود ہیں یا نہیں؛ ممکن ہے عید کے بعد ہم مارچ کے مہینہ میں خود رائے پور کی طرف آئیں۔ والسلام

دعا گو

۱۴؍فروری ۱۹۹۴ء   ابوالحسن علی ندوی

اس خط کے بعد پھر ایک خط رائے پور سے جب کہ احقر رمضان میں حضرت حافظ صاحب کو تراویح میں قرآن شریف سنا رہا تھا، حضرت مفکر اسلام کو لکھا اور ایک خواب کے متعلق تحریر کیا، عید کے بعد اپنی لکھنؤ آمد کے متعلق اطلاع دی، جس پر حضرت کا یہ مختصر جواب آیا:

مکتوب نمبر (۱۱)

باسمہ تعالی

رائے بریلی ۲۴/۹/۱۴۱۴ھ

عزیز مکرم

سلام مسنون!

آں عزیز کا خط ملا، حالات معلوم ہوئے، خواب سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، عید کے بعد معلوم کر لیں گے کہ ہم لکھنؤ میں موجود ہیں یا نہیں، اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ والسلام

دعا گو

ابوالحسن علی ندوی

بقلم نذر

اس کے بعد غالباً ٦؍یا ٧؍شوال ۱۴۱۴ھ کو احقر لکھنؤ پہنچا، حضرت مولانا نے اپنا خصوصی مہمان بنا کر مہمان خانہ میں رکھا، مجھ کو چونکہ عالیہ اولی یعنی عربی پنجم میں داخلہ لینا تھا اور ندوہ کے قانون کے مطابق یا تو عالیہ ثالثہ عربی ہفتم میں داخلہ ہوتا جو میرے معیار سے اونچا درجہ تھا، یا پھر ثانویہ ثالثہ عربی دوم میں جس میں میرے وقت کا ضیاع تھا، اس لیے ایک دو روز کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے حضرت مفکر اسلام نے مشورہ کیا، تو ندوہ کی شاخ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور میں جانا طے ہوا، حضرت مولانا رائے پور تشریف لے گئے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء نے مدرسہ ضیاء العلوم کے ذمہ داران کو خط لکھ دیا کہ ان کا داخلہ لیا جائے، چنانچہ میرا داخلہ حضرت کے وطن رائے بریلی میں عالیہ اولی میں ہو گیا، پھر حضرت کے وہاں کے قیام میں مجالس میں حاضری اور خصوصی استفادہ شروع ہو گیا، حضرت نے مدرسہ کے ذمہ

دار مولانا شرافت صاحب کو خصوصی ہدایت کی کہ ان کا خیال رکھیں، انہوں نے ماشاء اللہ بہت خاص خیال رکھا، سبھی اساتذہ نے خصوصی شفقت فرمائی، وہاں کے ایک سال کے قیام سے بہت فائدہ ہوا۔

پھر عالیہ اولی کا سالانہ امتحان ندوہ میں دیا اور ندوہ میں داخلہ ہوگیا، ندوہ میں پانچ سال کی مدت میں عالمیت اور افتاء کا کورس کیا۔

حضرت کی خصوصی توجہ اور شفقت

ان پانچ سالوں میں حضرت کی خصوصی توجہ اور شفقت زیادہ اس وقت ہوئی جب شیخ ومرشد حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری (متوفی ۷؍رمضان ۱۴۱۶ھ) کے انتقال کے بعد ۲۴؍شوال ۱۴۱۶ھ نماز جمعہ سے قبل حضرت مفکر اسلام سے چاروں سلسلوں نیز حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں بیعت ہوا، گویا ۱۱؍خطوط کی تمہید اور رائے بریلی اور ندوہ کے ۲؍سال بعد حضرت کی مکمل شفقت اس نامہ سیاہ پر ہوگئی، یہاں تک کہ بعض ایسے مواقع پر حضرت کی طرف سے بیٹھنے کی اجازت ہوتی، جب حضرت تنہا ہوتے یا کوئی خاص تحریر رقم کراتے اور یکسو ہوتے، اس وقت سب چلے جاتے مگر اس وقت احقر کو فرماتے کہ نہیں آپ سے کوئی حرج نہیں، تصنیف وتالیف کا دور شروع ہوگیا، تو حضرت نے احقر کی آٹھ کتابوں پر تفصیلی مقدمے تحریر فرمائے، تین عربی کتابوں پر اور پانچ اردو کتابوں پر، یہ مقدمات بھی قارئین کے فائدے کے لئے نقل کئے جا رہے ہیں، پہلے اردو کتابوں کے، پھر عربی کتابوں کے۔

32

چوتھا باب

راقم کی کتابوں پر

حضرت مفکر اسلام کے مقدمات

چوتھا باب

راقم کی کتابوں پر

حضرت مفکر اسلام کے مقدمات

تمہید

راقم سطور نے اللہ تعالی کے فضل سے طالب علمی کے زمانہ میں دس پندرہ کتابیں تصنیف کردی تھیں اور پانچ چھ کتابیں اسی زمانہ میں زیور طبع سے آراستہ بھی ہوگئی تھیں، چونکہ حضرت مفکر اسلام کی خصوصی عنایات وتوجہات حاصل تھیں، اس لئے حضرت والا ہی کی برکت اور محض فضل الٰہی سے تصنیف وتالیف کا ذوق بڑھتا رہا، چنانچہ جو کتاب بھی تحریر میں آتی، اس کو حضرت کی خدمت میں پیش کرتا، اور حضرت مقدمہ تحریر فرماتے، اس طرح حضرت مولانا نے راقم کی آٹھ کتابوں پر مقدمے تحریر فرمائے، پانچ اردو کتابوں پر اور تین عربی کتابوں پر، اس باب میں حضرت کے وہ سب مقدمات تحریر کئے جاتے ہیں:

(۱) مقدمہ

مختصر تجوید القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

اللہ کے کلام قرآن مجید کو صحیح طریقہ پر پڑھنے اور اس کا اجر حاصل کرنے کے لئے اہل

زبان اور قراء کرام نے کچھ اصول وقواعد مرتب کئے ہیں، تاکہ ان کی روشنی میں اور ان کی معرفت کی مدد سے اللہ کے کلام کو صحیح طریقہ پر ادا کیا جائے اور پڑھا جائے، ان کے ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ حفاظ وقراء اولین واہل زبان سے مشابہت ہو، اس لئے شروع ہی سے فن تجوید کی طرف خاص توجہ کی گئی اور اس کی تعلیم وتعلم کا اور اس کے اصول کی پابندی اور مراعات کا سلسلہ بلا انقطاع جاری رہا اور خدا کے فضل وکرم سے ابھی تک حفظ وتلاوت کے مرکزوں میں اور مدارس عربیہ دینیہ میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یہ مختصر کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' بھی اسی سلسلہ کی کوشش ہے، جس پر بعض حفاظ کرام اور ماہرین تجوید نے اپنی تصدیق شہادت ثبت کی ہے، راقم بھی اپنی ایک سعادت سمجھ کر ان چند الفاظ کے ساتھ شرکت کرتا ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے، اور نفع پہنچائے۔ والسلام

ابوالحسن علی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۸/رجب ۱۴۱۵ھ

(۲) مقدمہ

بچوں کی تمرین التجوید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

امابعد! قرآن مجید کی آیت ''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً'' اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو (کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو) سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو الفاظ و حروف کے صحیح مخارج اور جس زبان میں وہ نازل ہوئی ہے اس کے طریق ادا کی

رعایت کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ احترام سکون اور مؤثر طریقہ پر پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت، کتاب اللہ کی عظمت کا تقاضہ اور توفیق الٰہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے اس آخری، دائمی، عالمی اور مقبول ترین صحیفہ کے ساتھ اس امت نے (جس کے پیغمبر اور اللہ کے آخری نبی پر یہ صحیفہ نازل کیا گیا) جس توجہ اور اعتنائی، اہتمام واحترام اور قدردانی اور وفاداری کا ثبوت دیا، اس کی نظیر (مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور علمی ومذہبی تاریخ کی روشنی میں) کسی امت ومذہب میں اور کسی ایسے صحیفہ کے بارے میں نہیں ملتی جس کو وہ امت اور اس مذہب کے پابند اللہ کا نازل کیا ہوا صحیفہ اور اپنے مذہب کی سب سے زیادہ مستند ومحترم اور مقدس کتاب سمجھتے ہیں۔

اس کی ایک دلیل اور ثبوت علم تجوید کا پیدا ہونا اور اس کے ساتھ امت اور اس کے علماء وحفاظ اور قراء کا اہتمام واعتناء اور اس کے سلسلہ میں تدقیق وتحقیق اور تصنیف وتالیف ہے، جس کی نظیر کسی دوسری امت، مذہب اور تصنیفی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ سب درحقیقت "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ"۔(۱)

''ہم نے قرآن نازل کیا اور ہمیں اس کے محافظ اور نگہبان ہیں'' کی تفسیر ہے اور اس آیت کے تحقق اور صداقت کے دائرہ میں آتی ہے۔

یوں تو فن تجوید پر ہر اسلامی زبان میں بالخصوص (عربی اور اردو میں) پورا ایک کتب خانہ موجود ہے، لیکن خاص طور پر اس زمانہ میں جس میں وقت، ذہانت اور جذبہ وشوق کیلئے بہت سے امتحانات پیدا ہو گئے ہیں، ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس میں اس فن کے طالب علموں کے اور خاص طور پر کم سن طلبہ کے ذہن، وقت، قدرتِ اخذ کی رعایت کرتے ہوئے اس کو آسان سے آسان طریقہ پر اور ایک تحلیل وتجزیہ کے ساتھ پیش کیا جائے۔

(۱) سورۂ حجر آیت ۹۔

مسرت کی بات ہے عزیز القدر مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی نے ''بچوں کی تمرین التجوید'' کے نام سے یہ رسالہ لکھا، جو اس وقت راقم کے پیش نظر ہے، اس میں بچوں کی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے اور ایک ذہنی ورزش اور ریاضت کے طور پر یہ رسالہ مرتب کیا، جو اس فن کو زیادہ سے زیادہ آسان قابل اخذ اور مرغوب بنا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۲/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ — ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۳) مقدمہ

حیات عبدالرشید

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد!

مطبوعہ اور قلمی کتابوں کے ذخیرے، مطابع اور کتب خانوں کی فہرستوں پر نظر رکھنے والے اور تصنیفی وتحقیقی محرکات ومقاصد وترغیبات اور ان کی مقبولیت اور عام پسندیدگی کے اسباب پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ عام طور پر مشہور عام شخصیتوں، اہم تحریکات کے قائدین، یا سیاسی انقلاب برپا کرنے والوں کے تذکرے اور سوانح عمریاں لکھی جاتی ہیں، یا نامور فضلاء، کثیر التصانیف علماء اور مقبول عام ونام ور مشائخ اور اہل سلسلہ کی جن سے بعض اوقات ہزاروں، لاکھوں انسانوں کا عقیدت وارادت کا تعلق ہوتا ہے، اور یہ بات انسانی نفسیات ومحرکات اور کتابوں کی مقبولیت واشاعت اور ان کی طرف رجوع عام کے نتیجے کو سامنے رکھ کر کوئی بعید از قیاس اور خلاف فطرت واقعہ نہیں۔

لیکن سوانح وتذکروں کی تاریخ سے واقفین اور ان کا حقیقت پسندانہ ومنصفانہ جائزہ

لینے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مختلف زمانوں میں ایسی شخصیتیں گزری ہیں اور گزرتی رہتی ہیں، جو بعض اوقات محض باکمال اور صاحب حال نہیں، انقلاب انگیز اور عہد آفریں ہوتی ہیں، اور ایک دائرے میں (جو بعض اوقات محدود مگر اہم اور بعض اوقات وسیع اور وقیع ہوتا ہے) انہوں نے مردم سازی وانقلاب انگیزی، رشد وہدایت اور تبلیغ واشاعت کا بڑا کارنامہ انجام دیا ہوتا ہے۔

حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری جن کا یہ تذکرہ (حیات عبدالرشید) قارئین کے سامنے ہے، انہیں باکمال شخصیتوں میں ہیں، وہ داعی الی اللہ، ناشر رشد وہدایت اور ضلالت وارتداد عن الاسلام کی سرزمین میں ایک شمع فروزاں اور ایک بلند وبالا منارہ نور کی حیثیت رکھتے تھے، جن کے اخلاص ودرد اور سرگرمی وتندہی بلکہ مجاہدہ وقربانی کی برکت سے ہزاروں انسان جو دین حق کی دولت ونعمت سے محروم ہوگئے تھے، اور انہوں نے ارتداد اختیار کرلیا تھا اور ان کی صورت وسیرت سب بدل چکی تھی، دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، کثیر التعداد مسجدیں جو منہدم ہوگئی تھیں دوبارہ ان کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ آباد ہوئیں، مسلمانوں کی اس نسل کی (جس نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا تھا، پھر اسلام کی طرف بازگشت ہوئی تھی) نئی نسل ارتداد کے خطرے سے محفوظ ہوئی، اس کی دینی تعلیم وتربیت کا انتظام ہوا، بڑی تعداد میں مدارس ومکاتب قائم ہوئے۔

واقف اور باخبر حضرات جانتے ہیں کہ ملک کی تقسیم کے بعد (جو کثیر التعداد غیر مسلم منصوبہ بند افراد کے نزدیک محض سیاسی وجغرافی تقسیم نہ تھی، بلکہ وہ ہندوستان کی اکثریت کے قدیم مذہب برہمنیت اور ہندومت کے نئے دور کا آغاز اور ہندو مذہب ومعاشرت وتہذیب کے احیاء کا سامان تھا) ان منصوبہ بند اور سرگرم گروہوں اور افراد نے کم سے کم مشرقی پنجاب کو خالص (عقائد کے لحاظ سے بھی، معاشرہ وتہذیب اور تعلیم کے لحاظ سے بھی) ہندو علاقہ بنالینے کا پورا نقشہ بنالیا، اس سلسلے میں ہریانہ اور پنجاب اور ہماچل

پردیش ان کا خاص نشانہ تھے، اور یہاں (عظیم ومؤثر دینی مدارس ومراکز کے نہ ہونے کی وجہ سے اور فریقین کی تعداد کے تناسب کے بنا پر بھی) اس کا سب سے زیادہ امکان تھا کہ وہاں رہ جانے والے مسلمانوں کی محدود تعداد کو ہندو مذہب وتہذیب کے دائرے میں لے آیا جائے، مساجد بھی باقی نہ رہیں اور نئی نسل کی اسلامی تعلیم وتربیت کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے، چنانچہ بڑی سرگرمی ومنصوبہ بندی کے ساتھ یہ ارتدادی عمل شروع کیا گیا اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان اس کا نشانہ بنے، اور مسلمانوں کی آئندہ نسل کا بھی اسلام کا حلقہ بگوش ہونا، نئی نسل کا اسلامی تعلیمات سے واقف ہونا، بچی کھچی مسجدوں کا بھی باقی رہنا مشکوک ہوگیا، اور اس کے آثار دیکھنے والوں کو صاف نظر آنے لگے۔

اس موقع پر جیسا کہ اسلام کی دعوت، حفاظت دین اور ارتدادی تحریکوں اور منصوبوں کا مقابلہ کرنے اور ان کا اثر زائل کرنے کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے(۱) ایسا مرکز اور شخصیت ہی آئی، جو اخلاص وللّٰہیت، ربانیت وروحانیت، زہد، ایثار وقربانی، اور توکل علی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی صفات سے متصف وآراستہ ہو۔

یہ مرکز مشرقی پنجاب (مغربی یوپی) میں رائے پور (ضلع سہارنپور) کی خانقاہ اور روحانی مرکز تھا، جس کی مسند ارشاد پر شیخ وقت ومرشد زمانہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب (خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) متمکن ومسند نشین تھے، حضرت کے قلب مبارک پر خود اس صورت حال کا گہرا اثر بلکہ اس کا زخم تھا، اور وہ دعا ودعوت، ذکر سحر گاہی اور دعائے نیم شبی اور اپنے قریب ترین ومعتمد ترین مسترشدین ومستفیدین کو اس طرف متوجہ کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے، خود بھی دورے فرماتے اور اس علاقے کے لوگ بھی یہ اثر اور درد اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

رائے پور کے ان حلقہ بہ گوشوں اور گوہر چینوں میں اس کام کے لیے حافظ عبدالرشید

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ اول۔

صاحب رائے پوری کا اللہ تعالیٰ نے خاص انتخاب فرمایا، انہوں نے (جیسا کہ اس کتاب سے معلوم ہوگا) اذکار واشغال، ترقیات روحانی اور مدارج سلوک وقرب طے کرنے کے ساتھ اس کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مشن، تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وقت کا فریضہ سمجھا، انہوں نے ہریانہ، پنجاب اور ہماچل کے مسلسل دورے کیے اور پہاڑوں کے سفر کیے، بعض مرتبہ مسلسل تین تین ماہ دورے پر رہے، جو علاقے مسلمانوں کے وجود سے خالی، وہاں کی سرزمین مسلمانوں سے اور فضائیں اذانوں سے محروم ہوگئی تھیں، اس علاقہ میں ہزاروں مسلمان شہید ہوگئے تھے اور گھر سے بے گھر ہونے والے تو لاکھوں کی تعداد کو پہنچتے تھے، بہت سے علما کو برسر میدان تہہ تیغ کر دیا گیا تھا، عورتوں کی کھلم کھلا بے عزتی و بے حرمتی ہوئی تھی، معدودے چند مسلمان جو باقی رہے تھے، ان کا ماحول ومعاشرہ جہالت و بے دینی یا مشرکانہ اعمال و پیر پرستی کی آماجگاہ بن گیا تھا، کثیر تعداد میں سروں پر چوٹیں رکھ لئے تھے، حافظ عبدالرشید صاحب نے خاص طور پر پنجاب وہریانہ کے شمالی حصے کا دورہ کیا، لوگوں کے ایمان کی تجدید کی، جمنا سے لے کر چنڈی گڑھ تک اوران گاؤں میں جو پہاڑوں کی تلہٹی میں آباد ہیں، اور جس میں ہماچل کا دکھنی حصہ بھی شامل ہے، آپ کی دعوتی جدوجہد کا مرکز بنے، ان میں یوپی کے سفر بھی شامل ہیں، جن میں شاملی، کیرانہ، کھرگان، تیترو، انبیہٹہ، بڑوت، پھلت، کھتولی کا سفر بھی شامل ہے، ہر جگہ رجوع عام دیکھنے میں آیا، مدارس ومساجد تعمیر وقائم ہوئے، ان دوروں اور جدوجہد اوران کے اثرات کی تفصیل پہلی مرتبہ اس کتاب میں ملے گی۔(۱)

ان تبلیغی دوروں کے علاوہ کتاب میں سفر حجاز اور بعض دوسرے اسفار کے واقعات بھی شامل ہیں، کتاب میں کچھ خوارق وکرامات بھی آئی ہیں، حالات حاضرہ سے باخبری اور

(۱) خدا کا شکر ہے کہ اب بھی رائے پور کے سلسلہ عالیہ اوراس کے مسترشدین اور تعلق رکھنے والے اس علاقے میں ایمان، رجوع الی اللہ، مساجد کی بازیافت اور مدارس ومکاتب کے قیام کی دعوت دے رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ سرگرم اور کامیاب مولوی کلیم صدیقی پھلتی اور علاقہ میں مولوی ظریف احمد ندوی بھی یہ کام کر رہے ہیں۔

مسترشدین کے لیے ہدایات بھی، خود حضرت حافظ صاحب کے سلسلہ نسب وسلسلہ بیعت وعقیدت اوران کی مقبولیت وتاثیر کے واقعات بھی شامل ہیں۔

ضرورت تھی کہ ضروری ومستند تفصیلات معلومات کے ساتھ اس داعی الی اللہ، ناشر ومبلغ دین اور مجاہد فی سبیل اللہ کا تذکرہ سلیس اور عام فہم اردو زبان میں لکھا جائے، جو فضلائے مدارس اوراہل حمیت وغیرت مسلمانوں کے لیے ایک مہمیز اور محرک کا کام دے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ سعادت اور توفیق اسی علاقے کے ایک رہنے والے اوراسی سلسلہ عالیہ قادریہ کے متوسل مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کو اللہ تعالیٰ نے دی، کہ حق شفعہ جیسے مسکونات وآراضی میں ہے وہ تصنیفی وتاریخی کاموں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو مقبول بنائے، اوراس سے پڑھنے والوں کے دلوں میں دعوت الی اللہ، تذکیر باللہ اور وقت کے فتنوں اور خطروں سے مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

وماذلك على الله بعزيز

ابوالحسن علی ندوی	۱۱ر جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ
دائرہ شاہ علم اللہؒ، رائے بریلی	۲۵ر ستمبر ۱۹۹۶ء

(۴) مقدمہ

سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

علمی ودینی ذوق کی آفرینش کی تاریخ، مطالعہ کتب وعلمی مآخذ سے استفادہ کے ملکہ کی صلاحیت، پھراس سے بڑھ کر دین کی حفاظت وخدمت کے جذبہ بلکہ جہد فی سبیل اللہ کے عزم کی پیدائش وآفرینش اور یہاں تک کہ اجتہاد وتجدید دین کے مقام بلند تک رسائی اور

اگر اتنا بلند نہیں تو کم سے کم اس کی قدر شناسی اور تمنا کی منزل بلند تک پہنچانے میں مقبولین بارگاہ الٰہی، مجاہدین فی سبیل اللہ، مجتہدین فی الدین والعلم، اساتذہ کاملین، مجددین، مصنفین کبار و محققین، صاحب ایثار وزہد ومجاہدہ، عارفین ومقبولین بارگاہ الٰہی کی سوانح عمریاں، تذکرے اور تعارفی کتابیں جتنی ممد ومعاون ہیں (دینی تاریخ اور اصلاح وتجدید کے ایک مطالعہ کرنے اور اس موضوع پر خود تصنیف وتالیف کا شرف کرنے والے ایک صاحب نظر وقلم فرد کی حیثیت سے کہنے کی جرأت کی جاتی ہے) کہ تذکروں اور سوانح حیات کی کتابوں سے زیادہ (قرآن وحدیث کے بعد) کوئی مؤثر، محرک اور انقلاب انگیز تصنیفی صنف اور موضوع نہیں پایا جاتا، والغیب عنداللہ۔

اسی حقیقت اور احساس کے پیش نظر اسلامی عہد میں اہل کمال، مجددین و مصلحین، داعیان دین، مصنفین ومحققین، علماء راسخین اور خادمین علم ودین کے جو تذکرے لکھے گئے ہیں، ان کی مثال (کماً وکیفاً) دوسرے مذاہب اور عہدوں اور ملکوں میں نہیں پائی جاتی، عالم عربی پر نظر ڈالئے تو آٹھویں صدی ہجری سے لیکر جس میں "الدر الكامنة فی اعيان المائة الثامنة" لکھی گئی، بارہویں صدی تک جس میں "سلك الدر فی اعيان الثانی عشــــر" لکھی گئی، کوئی مثال، کسی دوسرے ملک ومذہب میں نہیں پائی جاتی، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، معذرةً لکھا جاتا ہے کہ والد مرحوم حکیم سید عبدالحئی صاحب کی تالیف "نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر" (۱) جس میں ساڑھے چار ہزار سے زیادہ ہندوستان کے اہل کمال مصنفین، معلمین، دعاۃ ومصلحین اور مسلمان سلاطین وحکام کا تعارف وتذکرہ ہے، ایک ممتاز ومنفرد، شوق انگیز اور ہمت خیز تذکرہ وتاریخ ہے۔

ضرورت تھی کہ چودھویں صدی ہجری کے اہل کمال، داعیان دین وناشرین علم، مصنفین

(۱) یہ کتاب اب دارعرفات رائے بریلی سے "الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام" کے نام سے ۸/جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

ومحققین، اہل تزکیہ واصلاح، خادمین وناشرین وشارحین کتاب وسنت کے تذکرے اور سوانح حیات مرتب ہوں، تاکہ ان کے اعتراف کمال اور دعائے مغفرت ورفع درجات کے ساتھ اس عہد ونسل کے طالبان علم ودین اور فارغین مدارس اور راسخین فی العلم کے دل میں بھی ان کی تقلید کا جذبہ اور خدمت علم ودین کا ولولہ اور عالی حوصلگی وبلند ہمتی پیدا ہو۔

الحمدللہ کہ اس عہد کے بھی بہت سے اہل کمال، داعیان دین، علماء راسخین اور کبار مصنفین واساتذہ ومدرسین کے تذکرے مرتب ہوئے، جن کی فہرست پیش کرنا مشکل ہے، صرف اگر ضلع سہارنپور اور مظفرنگر کو سامنے رکھا جائے تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کی سوانح حیات اور تذکرے شائع ہو چکے ہیں، ضرورت تھی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے برادر اکبر اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کا تذکرہ بھی مرتب ہو، جو ایک بڑے محدث، شارح حدیث، استاد حدیث اور سالک وصوفی تھے، جن کو حدیث پر خاص طور پر عبور تھا، اور وہ فقہ وحدیث کی تطبیق میں خاص مقام رکھتے تھے اور جن کی تصنیفات میں "لامع الدراری علی جامع البخاری" اور "الكوكب الدری علی جامع الترمذی" جیسی محققانہ کتابیں ہیں، ان کے ارشادات وملفوظات اور واقعات وقصص بھی تاثیر ونافعیت کے حامل ہیں، پھر ان کے لئے بھی بڑی شرف کی بات ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ان کے قابل فخر فرزند بلکہ فخر زمانہ اور امام عصر تھے۔

عزیز گرامی مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی قابل مبارک باد اور شکر ہیں کہ انہوں نے

اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک مبسوط تذکرہ مرتب کیا، جو ''سیرت حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی'' کے نام سے ناظرین کے سامنے ہے، اس میں صاحب تذکرہ کے خاندانی، آبائی بزرگوں اور ان کے اساتذہ اور تعلیمی وتربیتی مرکزوں اور ان کے درس وافادہ کے حلقوں اور ان کے تحقیقی وتصنیفی کارناموں اور ان کے ورثاء واخلاف کا بھی تعارف ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب سے دینی وتربیتی حلقوں اور علمی وتعلیمی مرکزوں میں پورا فائدہ اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ مرتب کو جزائے خیر وقبولیت اور قارئین کو استفادہ کی توفیق، علمی ذوق وعلوئے مرتبہ عطا فرمائے۔

وماذلك على الله بعزيز

ابوالحسن علی ندوی — ۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

مہمان خانہ ندوۃ العلماء — مطابق ۲۶؍ستمبر ۱۹۹۸ء

(۵) مقدمہ

تذکرہ حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد!

راقم کے سامنے اس وقت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند وشیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی کا تذکرہ مرتبہ فاضل عریز مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب ہے۔

راقم کو ایک حد تک ان کی معاصرت ومعرفت اور محبت وعقیدت کا بھی شرف حاصل ہے، اور دہلی کے زمانہ قیام میں ان کا مہمان ہونے اور ان کے مکان پر قیام کرنے کی

سعادت بھی حاصل ہے، پھر وہ زمانہ جو جنگ آزادی، حکومت برطانیہ سے جنگ آزمائی، حفاظت دین وملت کی سعی اور غیرت دینی، حمیت اسلامی کے ساتھ حقیقت شناسی، دوربینی اور فراست کا عہد بہار اور دور شباب بھی سامنے ہے، اس کے ساتھ یہ حقیقت اور ''المیہ'' بھی کسی حد تک پیش نظر تھا، کہ اس عہد کے قائدین ملت، مجاہدین جنگ آزادی اور محافظین دین وملت کا جیسا حقیقت پسندانہ، منصفانہ، اور مؤرخانہ تذکرہ مرتب ہونا چاہئے تھا، وہ اگر منفی معدوم نہیں تو شاذ ونادر کی حیثیت رکھتا ہے، خاص طور پر ان شخصیتوں کا جو اس دور آزمائش میں دین کی صحیح نمائندہ، جانشین سلف، پیشوائے خلف اور نہ صرف رسوخ فی العلم، اعتدال واستقامت رکھتے تھے، بلکہ علم دین کے ناشر اور قدیم نصاب کے وکیل ومبلغ اور معلم ومدرس تھے۔

شکر ہے کہ ہمارے ایک فاضل نوجوان مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی نے ان قائدین ومجاہدین میں سے مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی کا تذکرہ بڑی تفصیل، واقعہ نگاری، صدق بیانی اور قلم کی روانی کے ساتھ مرتب کیا، اس میں سوانح نگاری بھی ہے، تاریخ نویسی بھی ہے، ان کے فضائل وکمالات، خدمات واحسانات، ان کی علمی خدمات، اشاعت علم دین کی جدوجہد، توفیق الٰہی اور موہبت ربانی کے ساتھ اس عہد پر ایک مؤرخانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے، اور حکومت برطانیہ کے ایجابی وسلبی اثرات اور مضرات وخطرات کو بھی نمایاں کیا گیا ہے، اور علماء راسخین اور نائبین رسول، جانشینان سلف کی حمیت اور عزیمت اور قربانیوں اور خطر پسندیوں کو بھی دکھایا گیا ہے، اس سے ایک بڑا خلا پر ہوتا ہے، اور حمیت وحمایت دین اور حفاظت دین وملت اور فکر وعزیمت کا جو سلسلہ تاریخ اسلام میں جاری رہا اور اس کو جاری رہنا چاہئے وہ سامنے آتا ہے، اور یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے، کہ اسلام اور مسلمانوں کی طویل و پرآشوب تاریخ میں کوئی خلا نہیں پایا جاتا، وہ صحت عقیدہ، حسن عمل، دعوت وتبلیغ، جدوجہد اور مجاہدہ وقربانی کی

مسلسل تاریخ ہے، یہ تذکرہ زنجیر کی ایک کڑی اور وقت کا ایک فریضہ ہے، جس کی ادائیگی پر مصنف عزیز کا شکرگزار اور ان کی جدوجہد کا معترف وممنون ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور یہ کتاب اس عہد کے نوجوانوں کے لئے بھی چشم کشا، مسرت افزا اور رہنما ثابت ہو۔ وماذلك على الله بعزيز

والسلام

ابوالحسن علی حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷/جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
۸/اکتوبر ۱۹۹۹ء

مقدمہ

رياض البيان فى تجويد القرآن

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلاةوالسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

أمابعد! فلا يخفىٰ على من له مشاركةٌ فى التعرُّف على لغات مختلفة حيَّة دارجة يُنطق بها ويؤلف فيها ويتفهم بها، أن اللغة العربية تتميَّز من بينها بأن جميع حروفها لها مخارج خاصة، وأصوات خاصة، وقد تكون هذه المخارج حلقيةً، وقد تكون لسانيةً وشفويةً، كالثاء، والحاء، والذال ،والصاد،والضاد، والطاء ، والظاء، والغين، والهاء، ينطق بها من بين أخواتها ومتشابهاتها من مخرج خاص ونطق خاص، فيتميز بين الحاء والهاء والذال والزاى، والسين والصاد، والدال والضاد، والتاء والطاء.

فإذا أخل إنسان بهذا التميز والاختلاف فى النطق، أثبت جهله بطبيعة هذه اللغة الفريدة التي أنزل الله فيها كتابه المعجز الأخير الباقى إلى الأبد، ونطق فيها الرسول الأعظم صلى الله عليه وسلم وتكوَّنت فيها مكتبة من أعظم مكتبات العالم، وبَرْهَنَ على جلهه وخرقه وأساء إلى نفسه.

ثم تتميَّز هذه اللغة بالإعراب، ووجود الحركات المميزة على آخرحروف الكلمات، وهذا الإعراب الذى لايوجد له نظير، -فى

حدود علمنا ومعرفتنا بعدد من لغات العالم- فى أى لغة، تكون منه علم النحو الواسع العظيم، الذى لايوجد له نظير فى نطاق علمنا ودراستنا فى لغة من لغات العالم المعروفة ، وإذا أخل إنسان مهما كانت مكانته من العلم والفضل والشهرة والجاه والمنصب، سقطت مكانته وازدرته العيون ومجته الأسماع، ونظر الناس إليه شزراً،ولم يقبلوا له علةً ولاعذراً.

وهذا إذا كان شان التعبير عن المضمرات وإبداء الخواطر وهواجس النفس، وإنشادالشعر أوالاستشهاد بعبارة من عبارات أحد الأدباء والمؤلفين، أو العلماء والمعلمين، فكيف بكتاب أنزله اللّٰه من فوق سبع سماوات على أفضل الأنبياء والمرسلين وخاتم النبيين محمد ﷺ ليحفظ ويقرأ ويتلى ، ويتقرب به إلى الله ، وليكون حجةً وبرهاناً ، على اختلاف الزمان والمكان، واللغات وأساليب البيان، وقد أودع الله فيه التأثير الخاص على القلوب والأذواق، والأسماع والآذان مقروناً بأداء خاص، واحتفاظ بالنطق بالكلمات، على طبيعتها اللغوية العربية الخاصة، ولذلك قال الله تبارك وتعالى مخاطباً لنبيه ولمن يتلوالقرآن"ورتل القرآن ترتيلاً" (المزمل:٤) وكلمة الترتيل تحتوى على معان كثيرة من صحة النطق والأداء والإجلال والاحترام، والتدبر والفهم،والهدوء والسكينة.

لذلك اتجهت عناية القراء والحفاظ إلى قراءة القرآن الكريم بكل عناية واهتمام بالأداء والنطق، وقراء ته على أصالته ، ونصه وطبيعته، بعيداً عن كل إخلال وتقصير فى الأداء ، وتوفية جميع الحروف التى

احتوت عليها الآيات حقَّها من الأداء والنطق والتميز، بعيدين عن الرطانة العجمية أو الحركات الخليطة الشفاهية، مميزين بين التفخيم والترقيق، وماامتازت به الحروف العربية من التميز فى المد،وعدم المد،والإظهار،والإدغام، والوقف وعدم الوقف، واستمر ذلك بإراةدة الله وضمانه ببقاء هذا الكتاب على نصه وفصه إلى آخر هذه الدنيا إلى عصرنا هذا تصديقاً لقوله تعالى:"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ"(الحجر:٩)

واقترنت بذلك- بإرادة اللّٰه وتقديره- عناية العلماء والمعلمين والمؤلفين والمحققين بتدوين هذا العلم وقواعده وأحكامه، وتعليماته وتوجيهاته، كتاباً وتأليفياً وبحثاً وتحقيقاً فى الكتب والمؤلفات فى هذا الموضوع، وشق الشِّفرة فى ذلك، ودققوا وحققوا، ولم يغادروا صغيرةً ولاكبيرةً فيما يتصل بهذا الموضوع إلا أحصوها،حتى تكونت بذلك مكتبةٌ واسعةٌ عظيمةٌ، لها فضلُها ومكانتها علمياً وبحثياً ودقة ورقة وقامةً وقيمةً، لايسهل إحصاءُ ما تتضمن عليه من كتبٍ وبحوثٍ.

ومن هذه السلسلة الذهبية المؤقرة التى لا يستهان بقيمتها،والتى صدر جزءٌ منها من قلم من لم يشتهر ولم يبلغ السن العالية، والمكانة السامية من النُّضج والشهرة، والاشتغال بالتعليم والتأليف، كتاب "رياض البيان فى تجويدالقرآن" تأليف المقرئ محمدمسعود العزيزى الندوى السهارنفورى، وقد احتوى هذا الكتاب-الذى ألف فى سن مبكرة، واثناء دراسة واكتمال وتوسع، على المهم من قواعد هذاالفن

وأصولـه، وأحـكامه بطريق سهل مبسط مفهوم، وجاء ت فيه جداول وفهارس للمصطلحات والقواعد مع شرح وتعريف سهل مبين.

وقـد جاء هذا الكتاب فى مكانه وأوانه، فقد اشتدت حاجة القراء والـحفاظ، وطلبة العلوم الدينية فى المدارس، والأئمة فى المساجد، إلى معرفة القواعد الأساسية ، والتعليمات البدائية لهذا الفن، مع إلقاء الأضـواء علـى مـا أُلف فـى هذا الموضوع، حتى يتسنّى لطالب هذا الفن ومقدّره التوسع فى دراسة هذا الفن والتضلع منه إلى حد ممكن ولازم، وللمؤلف إجر خدمة القرآن، وثواب العاملين فى مجال الدين وشكرالطلبة والدراسين۔

٢٩/ذى الحجة ١٤١٦هـ — أبو الحسن على الحسنى الندوى

١٨/ مايو ١٩٩٦ء — دارالعلوم لندة العلماء لكناؤ

مقدمه

الامامة فى الصلاة مسائلها وأحكامها

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

الـحـمـدللّٰه رب الـعـالـمين والصلاةوالسلام على سيد المرسلين مـحـمـد وآلـه وصـحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أمابعد!

فـقـداطـلـعـت عـلـى كتاب "الإمامة فى الصلاة مسائلها وأحكامها" تأليف الأخ العزيز محمد مسعود العزيزى الندوى وفّقه اللّٰه للمزيدالجديد فـى الـدراسة الشـرعية والتـأليف والبـحـث فى القضايا الدينية، ولما كان الـمـوضـوع جـذريـاً وشـرعياً وعملياً ومايحتاج إليه المسلمون والعلماء بـصـفة خاصة، كان البحث فى هذا الموضوع وعرض قضاياه وأحكامه فى ضـوء الـكتـاب والسـنة والـفـقه، حاجةً رئيسيةً، وموضوعاً عملياً، وكـان البـحـث فـى ذلك واستعراض ماجاء من الأحكام وما صحّ فيه عـلـى أسـاس الـكتـاب والسـنة والـفـقه والاجتهاد،بحثاً دينياً، وعملاً جـذريـاً، يـرجـوفـي ذلك مؤلفه الأجر من الله، والاعتراف والتقدير من القراء والباحثين.واللّٰه لايضيع أجرالعاملين.

والسلام

٩/جمادى الأولى ١٤٢٠هـ — أبوالحسن على الحسي الندوي

٢/سبتمبر١٩٩٩م — مدير ندوة العلماء لكهنؤ

مقدمه

التدخين بين الشرع والطب

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

الحمدللّٰه رب العالمين والصلاةوالسلام على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم.

أمابعد! فيعلم الجميع أن التدخين من أكثر العادات انتشاراً ورواجاً فى المجتمع المعاصر- الغربى والشرقى- على اختلاف المستويات والطبقات،والحضارات والمجتمعات، والديانات والبيئات، حتى أصبح من لوازم الحياة ومن الأمور الطبعية، وأصبح من لوازم الحياة ومن شعارات المدنيات، ومن الأمور الطبيعية التى لاتقبل بحثاً ولانقداً ولااستعراضاً فى ضوء الديانات والأخلاق والطب والاقتصاد والمدنيات،ويعتبر من يتناوله بالنقد والبحث والحكم رجلاً رجعياً وجدلياً متطرفاً، مضيعاً لوقته ومجهوده.

ولكن العزيز محمدمسعودالعزيزى الندوى قد تشجّع- ولاأقول تطرّف-لاستعراض هذه العادة شرعاً وطبياً وخلقياًوالحكم عليها كرجل محائد وباحث حر واقعى،لايخاف فى ذلك أن يرمى بالرجعية والتطرف وضيق الفكر والنظر، وبذل الوقت و المجهود فى ما لايفيد ولايلزم ولاينتج نتيجة، فقد أصبح التدخين من الأمور الطبيعية والعادية والحضارة والطبية كالغذاء واللباس،والنوم واليقظة،

والموانسة والمجالسة، فهو فى جراء ته البحثية والنقاشية وشجاعته النقدية والاستعراضية، يستحق الاعتراف بالجراء ة وتنوُّر الفكر والبحث من الحق ، تقبل اللّٰه سعيه ونفع به، وأفاد القراء والناظرين، وما ذلك على اللّٰه بعزيز.

أبوالحسن على الحسني الندوي	٢٨/رجب المرجب١٤٢٠هـ
الأمين العام لندوة العلماء لكهنؤ	٧/نوفمبر١٩٩٩م

پانچواں باب

وصایا حضرت مفکر اسلام

پانچواں باب

وصایا حضرت مفکر اسلام ☆

تمہید

نصائح اور وصایا ایک ایسا عمل ہے جسے انبیاء اور رسولوں نے اور ان کے پیرو کار حضرات نے اپنے اپنے وقت پر اپنے متعلقین کے لیے اختیار کیا، ان کی تاثیر اور اہمیت اس لیے زیادہ رہی کہ ایسے وقت یہ کی گئیں جب نصیحت کرنے والا اپنی بات کہہ کر رخصت ہو رہا ہوتا ہے یا وہ آخری ملاقات کر رہا ہوتا ہے جسے نصیحت کی جاتی ہے، دونوں اس طرح ملتے اور ایک دوسرے کی بات سنتے ہیں کہ جیسے شاید اب ملاقات کی نوبت نہ آئے گی، اس طرح مجموعی طور پر کہ یہ مجھے شاید ہی اب ملے گا، یا یہ کہ بعض ملیں گے اور بعض نہ مل سکیں گے، کہنے والا اپنی بات پوری طاقت اور صراحت سے کہہ دیتا ہے، یہ وصیتیں دنیا کے امور سے متعلق بھی ہوتی ہیں اور دنیا کے بعد پیش آنے والے حالات میں کام دینے سے متعلق بھی ہوا کرتی ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنی اولاد سے سوال

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کر کے عقیدہ کی پختگی کی، ایک الٰہ واحد اللہ ذو الجلال والاِکرام کی خالص بندگی کی جو وصیت اپنے

☆ وصایا مفکر اسلام پر مشتمل یہ باب مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کا تیار کردہ ہے، جو پہلے ماہنامہ نقوش اسلام کی کئی قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، اب موصوف کے مشورہ سے قارئین کے استفادہ کے لئے اس کتاب کا جز بنا دیا گیا ہے۔

انتقال کے وقت کی تھی اس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے "إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْقَالَ لِبَنِيهِ مَاتَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي؟ قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ "(ترجمہ: جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کروگے، میرے بعد؟ بولے ہم بندگی کریں گے، آپ کے رب کی، اور آپ کے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں)۔

پیدا کرنا بھی اسی کا کام اور نظام چلانا بھی اسی کا کام

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریروں، تحریروں ملاقاتوں میں اس واقعہ قرآنی اور حکیمانہ وصیت کو یاد دلا کر خصوصیت سے مسلمانان ہند کو کہ انہیں ان کے رہنما اور امیر کی حیثیت حاصل تھی، توحید خالص کی بار بار وصیت فرماتے رہے، اس کے علاوہ اپنے خاص متعلقین، مسترشدین، متوسلین اور محبین ومعتقدین کو بھی اس بات کی تاکید کرتے تھے "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" کہ یاد رکھو! پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے نظام چلانا بھی اسی ایک مالک الملک رب العالمین کا کام ہے، جس نے ساری کائنات کو وجود بخشا۔

ملک کے تمام باشندوں کو ہدایات

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے مسلمانوں کو صحیح اسلامی نمونہ کے ساتھ زندگی گذارنے کی خصوصی طور پر تلقین فرمایا کرتے تھے، اس طور پر مسلمانان ہند کے لیے خاص طور پر اور ہر مسلمان وانسان کے لیے عام طور پر ان کی چند وصیتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں، جو انہوں نے اپنے ملک کے سبھی باشندوں کو بطور حلف وعہد ومعاہدے کے کی

ہیں، انہیں ہم نمبروار "تحریک پیام انسانیت" شائع کردہ "دفتر کل ہند تحریک پیام انسانیت" سے نقل کرتے ہیں، ان کی وصیت ہے کہ میں جس بالاتر ہستی کو اپنا مالک وخالق سمجھتا ہوں اس کی قسم کھا کر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ!

(۱) اگر میں طالب علم ہوں تو میرا مقصد علمی ترقی سماجی بہبود کی خدمت اور ایک اچھا شہری بننا ہوگا جو مستقبل میں اس ملک کی قیادت سنبھالنے کا اہل ہو، میں تشدد اور قانون شکنی سے پرہیز کر کے اپنی عمر، جوانی، علم اور صلاحیت کو عوام کے لیے صرف کروں گا۔

(۲) اگر میں ملازم ہوں تو میرا اصول محنت، دیانت داری عوام کی خدمت ہوگا، اور میں رشوت، اقرباپروری، کام میں کاہلی اور بددیانتی سے پرہیز کروں گا۔

(۳) اگر میں تاجر ہوں تو میں ذخیرہ اندوزی چور بازاری ناجائز منافع خوری اور عوام کے معاشی استحصال سے پرہیز کروں گا۔

(۴) اگر میں معلم (ٹیچر) صحافی یا ادیب وشاعر ہوں تو ایسے خیالات ومقاصد کی اشاعت سے دلچسپی لوں گا اور اپنی صلاحیت صرف کروں گا، جو انسان دوستی کا جذبہ ابھارتے ہیں، نفس وماحول کی غلط ترغیبات، اشتعال انگیزی، منافرت، برادرکشی، انسانیت دشمنی اور تخریبی ذہن پر قابو پانے میں مدد کرتے ہیں۔

(۵) مرے سپرد کوئی ذمہ داری کا عہدہ ہوا تو میں حدود اور دائرہ عمل میں انصاف کرنے اور حق دار کو اسکا حق دلانے کے لیے پرخلوص جدوجہد کروں گا۔

(۶) میرا سماج کے جس طبقہ سے بھی تعلق ہو میں اس ملک کو اپنا وطن سمجھ کر یہاں کے ہر شہری سے محبت وہمدردی تعاون اور بھائی چارہ کا برتاؤ کروں گا۔

(۷) اس ملک کو اخلاقی پستی اور انسانی زوال سے بچانے کے لیے جو کام کر رہا ہے اس کے طے کئے ہوئے پروگرام سے میں ہمدردی اور دلچسپی لوں گا، اور اس کے ساتھ جس قدر ممکن ہوگا تعاون کروں گا۔

متوسلین ومسترشدین کو ہدایات ومشورے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جامع الکمالات ومجموعۂ حسنات تھی، اللہ تعالیٰ نے دین کے متعدد شعبوں میں ان سے عظیم اصلاحی وتجدیدی کام کیا، وہ اپنے وقت میں تصوف وسلوک کے بھی امام تھے اور اس میدان میں بھی انہوں نے عرب وعجم کے مختلف حصوں میں اثر ڈالا آپ کی کتاب "ربّانية لا رهبانية" نے (جس کا اردو ترجمہ ''تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک کے نام سے ہے) علماء دانشوروں اور اصحاب علم ودعوت کو زندگی کے اس اہم پہلو کی طرف متوجہ کیا اور اپنی زندگی کو مؤثر بنانے کے لیے اس کی اہمیت کو تسلیم کرایا، حضرت نے اس سلسلہ میں اپنے متوسلین ومسترشدین اور طالبین تزکیہ وسلوک کو جو خصوصی ہدایات دیں، ان میں ایک وہ تقریر بھی ہے، جو انہوں نے اپنے ایک مسترشد بھائی ''عبدالواحد الجزائری'' کی خواہش پر چند لوگوں کے سامنے مسجد شاہ علم اللہ رائے بریلی میں کی تھی، عیدالاضحیٰ ۱۴۱۳ھ کو یہ قیمتی نصائح ارشاد فرمائے تھے، جو ایک راہ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا تھا کہ:

ولایت کا راستہ

''اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑی چیز ہے اس میں دو تین اہم باتیں ہیں، جو عملی ہیں، ایک چیز جس سے لوگ بہت غافل ہیں، وہ تصحیح نیت ہے، اچھے کام کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت اور استحضار نہیں ہوتا، ذہن اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ ہم یہ کام کیوں کررہے ہیں، عادتاً کررہے ہیں؟ یا عبادۃً کررہے ہیں؟ اس کو حدیث کی اصطلاح میں ایمان اور احتساب کہتے ہیں، اس سے غفلت کی وجہ سے ہم بہت بڑے ثواب سے محروم ہیں اور روحانی ترقی سے بھی، ہم جو بھی کام کریں، اللہ کی رضا کے لیے کریں اور اس میں

اللہ نے جو اجر وثواب رکھا ہے اس کے خیال کے ساتھ کریں، یہ ولایت کا راستہ ہے، مثلاً مسلمان بھائی سے ہنس کر بولنا، خوش ہو کر ملنا، محبت سے پیش آنا، کسی کی مدد کرنا، راستہ سے کانٹا ہٹانا، یا کوئی ٹھوکر والی چیز ہٹا دینا، کسی کو راستہ بتا دینا، کسی کے یہاں عیادت کے لیے جانا، ان میں اجر وثواب کی امید ہو، ایمان واحتساب ہو، یعنی خدا کے وعدوں پر یقین اور ثواب کی امید ہو، اگر یہ کریں گے تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی، پوری زندگی عادت نہیں عبادت بن جائے گی۔

سیرت پاک کا مطالعہ

دوسری بات یہ کہ ہم دیکھیں کہ کون سا کام کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، اسی طرح کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے سیرت کی کتاب کا مطالعہ بھی کیا جائے، ان میں سب سے بہتر کتاب "زاد المعاد في هدى خير العباد" علامہ ابن قیم کی ہے۔

تہجد کی پابندی

تیسری بات یہ ہے کہ فجر سے پہلے اٹھنے کی کوشش کی جائے، وہ وقت اللہ کی رحمت متوجہ ہونے کا ہے، ہلکی سہی دو دو رکعت پڑھے، اللہ توفیق دے تو آٹھ ۸/ رکعت جو مسنون ہیں، ورنہ چار ہی رکعت پڑھ لے، اور اس کے بعد کچھ ذکر واستغفار کریں (یہ ایسی بات ہے) جس پر تمام اولیاء اللہ کا اتفاق ہے، پھر دعا کریں اپنے لیے، تمام مسلمانوں کے لیے، اسلام کے غلبہ کے لیے، حسن خاتمہ کے لیے اور جو بھی یاد ہو...... اس کے ساتھ ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح تیسرے کلمے کی، ایک تسبیح استغفار کی ہو جائے تو اور ہی اچھا ہے۔

بزرگوں کے حالات کا مطالعہ

یہ تین باتیں ہیں، باقی اور بھی ہیں، وہ یہ کہ بزرگوں کے حالات پڑھے جائیں، اس کا

بڑا اثر پڑتا ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور پھر بڑے بڑے مشائخ اور بڑے بڑے اولیاء مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت سید احمد شہید، حضرت شاہ اسماعیل شہید، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

دینی چیزوں کا احترام

دینی چیزوں کا احترام بھی بہت بڑی چیز ہے اور یہ بہت ضروری ہے، آج کل اس میں کمی ہوگئی ہے، یعنی مساجد کا احترام، قرآن مجید کا احترام، علماء کا احترام، مسلمانوں کا احترام، اسلام کا احترام، حدیث کا احترام یہ سب جاتا رہا، عبادات بڑھ گئیں، دعوت وتبلیغ بھی بڑھ گئی، مگر احترام کم ہوگیا ہے، اس احترام کا بھی خیال کریں، اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبُ" (سورۃ الحج ۳۲) جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کرے گا وہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے۔

سنت کے مطابق کام کرنیکی کوشش کریں

ایک بات اور ہے وہ یہ کہ جو کام ہم کرتے ہیں ان میں کتاب کے ذریعہ یا اگر ایسے علماء میسر ہوں ان سے پوچھ کر کام کو کرنا کہ سنت کے مطابق کس طرح کام کیا جاتا ہے، سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، اس سے اللہ تعالیٰ ولایت تک پہنچا دیتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متوسلین نے ارادت واسترشاد کا تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے ہدایات ووصایا کی ضرورت سامنے رکھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تحریر میں اسے منضبط فرما کر افادہ عام کی اجازت دی، وہ سلاسل اربعہ سے بعینہ نقل کی جاتی ہیں۔

سلسلہ میں داخل ہونے والوں اور ہونے والیوں کیلئے ہدایات ومشورے

بیعت کرنا اور سلسلہ میں داخل ہونا کوئی رسمی اور شوقیہ چیز نہیں ہے، جس کے لیے کچھ ماننا اور کرنا نہ پڑے، محض برکت یا شہرت مقصود ہو، یہ ایک عہد ومعاہدہ اور ایک نئی دینی وایمانی زندگی کا آغاز ہے، جس میں زندگی میں کچھ تبدیلیاں، کچھ پابندیاں اور کچھ ذمہ داریاں ہیں۔

۱- سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ بیعت اور سلسلہ میں داخل ہونا، کلمہ کی تجدید اور اسلامی عہد ومعاہدہ اور اللہ ورسولؐ کے احکام کے مطابق، دینی وایمانی زندگی شروع کرنے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کا قصد وارادہ اور عہد ومعاہدہ سمجھا جائے۔

۲- سب سے ضروری بات یہ ہے کہ عقیدہ درست اور پختہ کیا جائے اور اس بات کا اقرار اور اس پر ایمان ہو کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں جلانے مارنے، صحت اور شفاء دینے، اولاد دینے، روزی دینے اور قسمت اچھی بری کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں، نہ اس کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے، نہ بندگی کی کوئی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، نہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کا سوال کیا جاسکتا ہے۔

۳- سید المرسلین وخاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی، ذریعہ ہدایت، وسیلۂ شفاعت اور سب سے زیادہ محبت اور اتباع، پیروی کا مستحق سمجھا جائے اور زیادہ سے زیادہ آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور دینی ودنیوی زندگیوں میں آپ کی ہدایات، آپ کے معمول اور دستور پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے، آپ کی سیرت پاکؐ کے مطالعہ کا اہتمام کیا جائے اور آپؐ کی احادیث کے مجموعوں اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا جائے۔

۴- زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھالنے اور صحیح مقاصد زندگی معلوم کرنے کے لیے راقم کی کتاب ''دستور حیات'' کو مطالعہ میں رکھا جائے، نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کیا جائے۔

۵- سب سے اہم فریضہ اور ضروری چیز نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنا اور اہتمام اور سنتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا ہے، اس میں غفلت اور تساہلی کی تلافی کوئی چیز نہیں کرسکتی، نمازیں جماعت کے ساتھ حتی الامکان مسجد میں ادا کی جائیں، مستورات ان نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنے کی کوشش کریں، جو عام طور پر کاموں کی مصروفیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے فوت ہوجاتی ہیں یا ان کا وقت نکل جاتا ہے۔

۶- دینی ودنیوی دونوں کاموں میں ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت کی مشق کی جائے، اخلاق ومعاملات اور زندگی کے معمولات میں بھی اس کا اہتمام کیا جائے، تاکہ ان پر عبادت کا ثواب ملے اور ان کو حتی الامکان شریعت اور سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے، اخلاقی ومزاجی کمزوریوں، حسد وکینہ، حد سے بڑھے ہوئے غصے، بدگوئی، وبدزبانی اور مال ودولت اور دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے بچنے کی امکانی کوشش کی جائے۔

۷- قرآن مجید کی جس قدر سہولت کے ساتھ ممکن ہو تلاوت کا معمول بنایا جائے۔

۸- فجر کی نماز سے پہلے یا بعد یا مغرب، عشاء کے بعد (جس وقت آسانی سے ممکن ہو اور پابندی ہوسکے) ایک تسبیح درود شریف کی ایک کلمۂ سوم کی پابندی اور ایک استغفار کی پڑھ لی جائے اور اگر اللہ تعالی توفیق دے، تو آخیر شب میں کچھ رکعتیں تہجد کی بھی پڑھنے کی کوشش کی جائے، اور اپنے سلسلہ کے مشائخ اور تعلق والوں کے لیے دعا کی جائے۔

طالبان علوم نبوت کو وصیتیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے وہ عظیم مصلح تھے،

جنھوں نے ملت ومعاشرہ کے مختلف طبقات کو خطاب کیا، ان کی نوع بنوع جماعتوں، قوموں اور طبقات کے لیے وصایا ملتی ہیں، جن میں وہ وصایا بھی ہیں جو انہوں نے طالبان علوم نبوت کے لیے کیں، یہاں ان میں سے ایک انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

اخلاص واختصاص پیدا کریں!

ایک موقع پر دارالعلوم جلپا پور (نیپال) میں طلبہ کو خطاب فرمایا:

(میں) اپنے طالب علموں سے تو یہ کہتا ہوں کہ اخلاص واختصاص پیدا کریں، اللہ کے معاملہ میں اخلاص، کھانے کمانے کی تنخواہ! اتنی بڑی تنخواہ کی نیت نہیں، خلوص ہو، اللہ کی رضا کی نیت ہو، اللہ کی رضا کی طلب ہو، کہ اللہ ہم سے راضی ہو، قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم اس لیے کہ ہم اللہ کو پہنچانیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانیں اس کے کلام کو سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

اختصاص ہو، اس لیے کہ بغیر اختصاص اور بغیر امتیاز کے کوئی چیز نمایاں نہیں ہوتی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے ''قِيمَةُ كُلِّ امْرِئٍ مَا يُحْسِنُهُ'' (ہر شخص کی قیمت وہ ہے جس کام کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر انجام دے سکتا ہے) اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک فن میں دوسرے کے مقابلے میں امتیاز حاصل ہو، اس کی طرف انگلیاں اٹھیں، کم سے کم ایک چیز میں اختصاص یعنی امتیاز ہونا چاہئے۔

راقم سے اپنی وفات سے چند روز پہلے فرمایا تھا کہ اپنے مطالعہ میں تعمق، توسع، تنوع پیدا کرو!، ایک عالم وداعی کو یہ وصیت فرمائی کہ کچھ تصوف کا بھی مطالعہ کریں۔

اس وقت زمانہ کو مردان کار کی ضرورت ہے

ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند جہاں خود حضرت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ وقت گزار کر کسب فیض کیا، ایک موقع پر طلبہ سے صاف صاف اور پوری صراحت سے یہ بات کہی کہ: ''آپ یہاں سے مدرس بن کر نکلیں، مبارک، آپ علمی متون کے شارح ہوں مبارک، آپ واعظ وخطیب ہوں مبارک، آپ کتابوں کے مصنف ہوں مبارک، میں بھی اس کا گنہگار ہوں، لیکن اس وقت زمانہ کو اس سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے، اس وقت زمانہ کو ان مردان کار کی ضرورت ہے، جو اس نئے دور کو ایک نئی فکری قیادت ایک نیا دینی اعتماد، ایک نئی روحانی واخلاقی قوت عطا کرسکیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑا خطرہ ہے اور اس ملک کے لیے بھی، آج زمین ہمارے پاؤں تلے سے نکلتی جارہی ہے، اور بالکل وہی صورت حال ہے جس کی قرآن مجید نے اپنے معجزانہ الفاظ میں تصویر کھینچی ہے: ''اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَأتِی الأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا''۔ (سورۃ الرعد ۴۱)

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹائے چلے جاتے ہیں:

''حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ''۔ (سورۃ التوبہ ۱۱)

اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں ان پر دوبھر ہو گئیں۔

قبل اس کے کہ زمانہ آپ کو سبق دے، زمانہ کے بے درد اور بے رحم حقائق آپ کی آنکھیں کھولیں، آپ خود آنکھ کھولنے اور روشنی حاصل کرنے کی کوشش کریں، گردوپیش کی دنیا کا جائزہ لیں، اور دیکھیں کہ اچانک آپ کو انقلاب روزگار نے کہاں کھڑا کردیا۔

اگر آپ عزم کے ساتھ اس انداز پر اپنے ذہنوں کی تعمیر کریں اور اساتذہ کرام رہنمائی فرمائیں کہ جب آپ اس محدود دنیا سے نکلیں تو آپ اس وسیع دنیا کے (جس میں آپ کو زندگی گزارنا ہے) حقائق سے آنکھیں ملاسکیں، حالات سے پنجہ آزمائی کرسکیں۔

یہاں کا پیغام توحید واتباع سنت

مدرسہ ضیاء العلوم میں جورائے بریلی میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ سے متصل دینی تعلیمی ادارہ ہے اور حضرت کا ہی قائم کردہ ہے، اس میں ۱۱رستمبر ۱۹۹۷ء میں اپنے ایک مؤثر وعظ میں طلبہ کو ان کا مقصد یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ: ہر ادارہ اور جگہ کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں اور پیغام ہوتا ہے، یہاں کا پیغام توحید واتباع سنت، بدعت سے نفرت، جہاد کا جذبہ وشوق ہے، ہر جگہ اور ادارہ کی شخصیات ہوتی ہیں ان سے واقف ہونا ضروری ہے، مدرسہ ضیاء العلوم کے ہی چند طلباء سے اپنے مستقر دائرہ شاہ علم اللہ میں بطور وصیت کے فرمایا: ''تم لوگ اللہ کا شکر اس پر ادا کرو کہ تم لوگوں کا انتخاب اس مدرسہ کے لیے ہوا، حضرت سید احمد شہید کی تحریک اصلاح وجہاد یہاں سے اٹھی، حضرت شاہ علم اللہ صاحب نے یہاں آکر یہ بستی آباد کی، حضرت مولانا الیاس صاحب یہاں آئے اور ان کے علوم رتبت کی شہادت دی، سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے ایک رات کو خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے معلوم کیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ حضرت شاہ علم اللہ کا انتقال ہوا ہے، ان کی اولاد میں شاہ ابوسعید صاحب تھے، جن سے ٹیپو سلطان کا خاندان وابستہ تھا.................. ایک بات یہ بھی فرمائی کہ: یہاں کا پیغام اور خصوصیت وامتیاز، توحید، اتباع سنت اور اعلاء کلمۃ الحق ہے، اس کو لے کر یہاں سے جائیے گا۔

پڑھنے میں اپنے رب کی مرضیات معلوم کرنیکی نیت ہو

مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر (تیندوا) تشریف لے گئے آپ اس کے بانی وسرپرست تھے، راقم بھی ساتھ تھا عصر کا وقت تھا وہ نماز بعد بغیر کسی پروگرام کے خود اپنے تقاضہ سے

منبر پر تشریف لائے اور یہ وصیت فرمائی کہ آپ لوگ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں، اس میں یہ نیت رکھئے کہ ہم اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ اپنے رب کی مرضیات معلوم کرلیں کہ کن باتوں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن باتوں سے خوش نہیں ہوتا، کیا اسے پسند ہے اور کیا پسند نہیں اور یہ کہ ہم یہ جان کر پھر دوسروں کو بتائیں گے تاکہ دوسرے بھی یہ جانیں کہ اللہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور کن باتوں سے خوش نہیں ہوتا اور یہ کہ اسے معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کریں، ایک بات یہ بھی فرمائی کہ ادارہ کے محسن کو بھی یاد رکھیں انھیں کچھ پڑھ کر ثواب بھی پہنچا دیا کریں، مولانا کا اشارہ مدرسہ کا انتظام دیکھنے والوں کی طرف تھا جو انتقال کر چکے ہیں۔

جذبہ تشکر کا روحانی ترقی میں بڑا دخل

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ طالب علموں کو، مریدوں اور دیگر اہل تعلق کو اس کی خاص طور پر وصیت فرمایا کرتے تھے کہ جذبۂ تشکر کا روحانی ترقی میں بڑا دخل ہوتا ہے، فارغین کے لیے یہ بھی فرمایا کرتے کہ انہیں اپنے اساتذہ اور اپنے ادارہ سے جہاں انہوں نے تعلیم پائی ربط رکھنا چاہئے اور اس سے محبت رکھنی چاہئے۔

مدارس سے فارغ ہونے والوں کے لیے ایک وصیت یہ بھی ہوتی کہ ''اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے گا''۔

حالات حاضرہ سے متعلق طلبہ عزیز کیلئے چار باتیں

طلبہ کی جانب سے ایک الوداعی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں اپنے عقیدے اپنے تجربے اور مطالعہ کے لحاظ سے اور آپ کا جو ہم پر حق ہے اس وجہ سے چار باتیں وہ عرض کروں گا جو حالات حاضرہ سے متعلق ہوں گی اور چار باتیں آپ کی ذات سے متعلق

عرض کروں گا: پہلی چار باتیں یہ ہیں اور یہ چار محاذ ہیں جن کے لیے بلند عزائم سپاہیوں اور دینی درسگاہ کے فضلا اور دینی تعلیم کے تربیت یافتہ علماء اور مخلصین کی ضرورت ہے اور ان کے لیے اس سے بڑی سعادت نہیں ہوسکتی کہ وہ ان محاذ جنگ میں اپنی صلاحیتوں، اپنی توانائیوں اور سرگرمیوں کا اظہار کریں۔

۱- سب سے بڑا محاذ یہ ہے کہ ہماری ملت اسلامیہ کی آئندہ نسل مسلمان رہ جائے اور وہ صرف ذہنی، فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نہیں؛ بلکہ اعتقادی ارتداد سے بچ سکے، آپ ابھی سے نیت کیجئے کہ ہم اس خطرناک اور نازک محاذ کے لیے سینہ سپر رہیں گے، یہ سب سے بڑا محاذ ہے۔

۲- دوسرا محاذ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی رہے، یعنی اپنے عائلی قانون، قرآن مجید کے نصوص قطعیہ او راحکام قطعیہ نکاح وطلاق کے احکام ترکہ وتعلقات کے احکام پر عمل کر سکے، الفاظ سخت ہیں، اگر خدانخواستہ یہ وقت آ گیا کہ مسلمان یہاں نماز تو پڑھ سکے، کلمہ پڑھ سکے، قرآن شریف کی تلاوت کر سکے؛ لیکن، وہ قرآن مجید کے عائلی احکام پر عمل نہ کر سکے، پھر اس وقت علماء کو یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ ہجرت کا فتوی دیں، آج مسلمانوں کا ملی تشخص روز بروز خطرہ میں پڑتا جا رہا ہے، اس لیے اس کی بھی بے حد ضرورت ہے۔

۳- تیسرا محاذ پیام انسانیت کا ہے کہ ہم اس ملک میں دین پر عمل، دین کو باقی رکھنے کی فکر، اپنے اداروں اور مرکزوں کو محفوظ رکھنے، دعوت کے کام اور تعلیم وتصنیف کے کام کے ساتھ اس کی بھی کوشش رکھیں کہ فضا معتدل ہو، مشتعل اور آتش گیر نہ ہو، ورنہ کسی وقت بھی ساری کوششوں پر پانی پھر سکتا ہے، بہت کم لوگ اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہیں:

۴- چوتھا اور آخری محاذ: علوم دینیہ کی بقاء کی کوشش کرنا ہے اور زمانہ کے ساتھ ان کو تطبیق دینا ہے، اس طرح نہیں کہ زمانہ کے تابع ہو؛ بلکہ زمانہ کے جائز اور واجب تقاضوں

کو پورا کرتے ہوئے اور اس کی زبان وادب کی رعایت کے ساتھ علوم دینیہ کو زندہ رہنے اور اپنا کام کرنے اور زمانہ کا نہ صرف ساتھ دینے بلکہ اس کی قیادت کرنے کے قابل بنائیں، اس لیے عربی مدارس تو ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو ترقی دیں، مدارس قائم کریں، علوم دینیہ میں نئی زندگی اور تازگی پیدا کریں ذہنی صلاحیت ذکاوت، حافظہ سے کام لیں اور مطالعہ میں وسعت پیدا کریں۔

چار چیزیں طلبہ کی ذات سے متعلق

اب چار وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں:

۱- سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ آپ کا معاملہ درست ہو، کسی درجہ میں تقوی، دیانت داری اور تعلق مع اللہ ہو یا اس کی فکر ہو، یہ ایسی بنیادی بات ہے، کہ جس کے بغیر نہ کسی کام میں برکت ہوتی ہے نہ حرکت، اور ایسا حقیقی نفع اسی وقت ہوگا، جب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ درست ہو، نمازوں کی فکر ہو، دعاء کا ذوق ہو اور انابت الی اللہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہو، یہ سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے، اسے کبھی نہیں بھولنا چاہیے، یہ بات پیدا کرنے کے لیے کتاب وسنت اور فقہ کا مطالعہ کریں اور اس کے مطابق اپنی نمازوں کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، بزرگان دین کے حالات پڑھیں، کسی بزرگ کی صحبت اختیار کریں، حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابیں، ملفوظات ومواعظ ایک اچھا اثر رکھتے ہیں، میں نے الحمدللہ ساری ندویت، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی؛ بلکہ انتقادی ذوق کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھایا ہے، آپ کو بھی اس کا مشورہ دیتا ہوں، اس سے جاہ طلبی، حب مال اور معاملات میں کوتاہی کا علم ہوگا، آپ اس کی طرف ضرور توجہ دیں آپ کے اندر اس کی کوئی مقدار ضرور ہونی چاہیے۔

۲- دوسری چیز یہ ہے کہ زہد وایثار پیدا کریں، دعوت وعزیمت کی تاریخ، اصلاحی

تحریکوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عہد نبوی سے لے کر آج تک علم اور نفع خلائق کا، اصلاح وانقلاب حال کا اور زہد وایثار کا ساتھ رہا ہے، یہ دونوں بالکل ہم سفر ہیں، غرض کہ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ اصلاح کا کام، عزیمت کا کام اور سطح سے بلند ہو کر امت کے نفع کا کام اور زہد وایثار دونوں میں اللہ تعالی نے کوئی فطری اور طبعی رشتہ قائم کر دیا ہے، جو اسلام کی تاریخ میں ٹوٹتے نہیں پایا، آپ بھی اپنے کو اس کے لیے تیار کریں، ہماری تاریخ میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں، ایسی مثالیں پھر زندہ ہونی چاہئیں، صرف دولت دنیا کو اور عہدوں کو اپنا مطمح نظر نہ بنائیں، جہاں سے کام آجائے، مانگ آجائے اور امید ہو جائے بس آپ آنکھ بند کر کے چلے نہ جائیں، زہد وایثار سے کام لیں، یہ بہت بری روایت شروع ہوگئی کہ جہاں زیادہ پیسے ملیں، جہاں زیادہ آسودگی حاصل ہو اور جہاں اپنے خاندان کی آسانی سے پرورش کر سکیں وہیں جانا چاہیے، یہ بہت بڑی آزمائش ہے، اس سے بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔

۳- تیسری بات جو بہت تجربہ کی ہے اور گر کی ہے وہ یہ ہے کہ جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹئے گا، اس کو لکھ لیجیے چاہے آپ کا دماغ کچھ بھی بتائے کیسی ہی قوی دلیل ملے جمہور کے مسلک سے نہ ہٹئے، ان کے ساتھ اللہ کی تائید رہی ہے جس کے شواہد وقرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں:

ایسی بات ہے جو کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ہے، اس دین کو اللہ کو باقی رکھنا تھا، اس لیے یہ بات اس کو حاصل ہوئی، یہ اخلاص اور ذہن سوزی بھی کسی مذہب کو حاصل نہیں ہوا۔

یہ وہ بات ہے جو ہمارے استاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے بعض شاگردوں سے کہی تھی۔

لہٰذا مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھیے اس کا بڑا فائدہ ہوگا، اللہ کی خاص عنایت ہوگی، اس کی نصرت وبرکت ہوگی اور حسن خاتمہ بھی ہوگا۔

۴- چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ علم سے اپنا اشتغال رکھئے، کبھی اپنے کو فارغ التحصیل نہ سمجھئے ہمیشہ نئی اور پرانی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہئے، خواہ آپ کہیں رہیں، قرآن مجید کی تفسیریں، حدیث شریف کی شرحیں، تاریخ کی کتابیں اور جو کتابیں علم کلام پر اور صحیح عقائد کو پیش کرنے کے لیے صحیح طریقہ پر لکھی گئی ہیں ان سب سے آپ کا ربط رہے اور ان کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں اور یہ کہ اپنے مرکز سے برابر تعلق قائم رکھئے۔

یہ وہ باتیں ہیں جنھیں آپ حقائق سمجھئے اور یہ مطالعہ اور تجربہ کا ماحصل ہے، انھیں بطور امانت اور وصیت منتقل کرتا ہوں اللہ تعالی کے فضل سے میں ان باتوں کو آپ تک پہنچا چکا ہوں۔

طلبۂ حدیث کے لیے وصیتیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ علم و دین و شریعت کے حصول میں لگنے والوں کے لیے آداب کا پاس و لحاظ کو ترقی کے لیے اور ایمان کے استحکام کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

ایک طالب علم کا عبرت آموز واقعہ

اکثر وہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) کے ایک شاگرد کا عبرت آموز واقعہ سنایا کرتے تھے کہ وہ حدیث شریف کی کسی بڑی کتاب بخاری وغیرہ کا درس دے رہے تھے، ہوا تیز چل رہی تھی جس کی وجہ سے اوراق اڑنے لگے جس سے آواز تیز ہوئی اور درس میں خلل پڑنے لگا، مزید یہ کہ کتابوں کو نقصان بھی پہنچ سکتا تھا، فرمایا کوئی چیز رکھ دو جس سے ورق نہ اڑیں، سبھوں نے مناسب چیزیں رکھیں، مگر ایک طالب علم ایسا تھا جس نے (نعوذ باللہ) پاؤں رکھ دیا، وہی لمحہ فیصلہ کن ہوا اور ایمان سلب ہوتا نظر آیا اور دماغ بھی بگڑ گیا۔

امام مالک کے ایک شاگرد کا امتیاز

اسی طرح ایک واقعہ حضرت امام مالک صاحب مؤطا کے حلقہ درس کا سنایا کرتے کہ ایک مرتبہ ان کے دوران درس مدینہ میں ہاتھی کا گذر ہوا، سب لوگ ادھر متوجہ ہوگئے، ہاتھی کبھی دیکھا نہ تھا جی چاہا کہ ایک نظر ڈال لیں، البتہ ایک طالب علم امام یحییٰ بن یحییٰ اللیثی الاندلسی نہیں گئے اور امام مالک کے پاس ہی بیٹھے رہے، اللہ نے ان کے درس کو ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ دنیا بھر میں ان سے ہی روایت کردہ مؤطا کا نسخہ زیادہ عمومیت سے پھیلا، اور ان کے ملک و خطہ اندلس میں اور اس کے جوار میں مالکی مسلک کے پیروکار زیادہ پائے جاتے ہیں۔

کتابوں کی ترتیب

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی کتاب کو قرآن مجید کو چھوڑ کر بھی کتابوں پر رکھنے کی تاکید فرماتے اور ترتیب یوں قائم کرتے، قرآن مجید اس سے نیچے حدیث شریف، اس کے نیچے سیرت پاک، پھر دوسرے فنون کی کتابوں کا نمبر، دین و شریعت سے ان کے قرب و تعلق کے اعتبار سے، ایک بار راقم السطور کو بھی اس سلسلہ میں تنبیہ فرمائی، سیرت پاک پر ایک کتاب بریف کیس میں رکھنے کو فرمایا اور بھی کتابیں اور کاغذات اس میں تھے، کوئی دوسرا کاغذ سیرت کی کتاب کے اوپر آ رہا تھا، سختی سے تنبیہ فرمائی اور کہا کہ یہ سیرت اس پر کوئی دوسری چیز نہ رکھو۔

طالب علم کے بعض ضروری آداب

وضو کا اہتمام، درود شریف کا اہتمام، اور آداب کے التزام کے ساتھ وہ حدیث پاک کا

درس دیتے ، یا درس میں بیٹھتے اوراس موقع پر ٹیک نہ لگاتے ، راقم الحروف نے ایک بار محدث شام شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں بیٹھے دیکھا اور صحیح بخاری شریف ،سنن ترمذی شریف اور خودان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے مرتب کردہ مجموعہ احادیث ''تہذیب الاخلاق'' اور حدیث شریف کے مشہور و مقبول مجموعہ مشکوۃ شریف کے ختم پر حدیث کا درس دیتے دیکھا، کہ وہ کن آداب کا لحاظ کرتے ہوئے اور کس تعلق ومحبت اور عظمت کے احساس کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، اب اخیر میں طلبہ حدیث کیلئے ان کے چند اہم وصیتیں اور ہدایات ومشورے افادہ عام کے خاطر درج کئے جاتے ہیں، جوان کی کتاب "المدخال الی دراسات الحدیث النبوی الشریف" سے ماخوذ ہیں، جس کا اردو ترجمہ مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے کیا ہے۔

۱- پہلی چیز جس کا اہتمام بہت ضروری اور اہم ہے وہ کتب حدیث کے درس وتدریس اور بحث وتحقیق میں اخلاص واحتساب اور تصحیح نیت ہے، اجروثواب کی نیت کا استحضار ہو، اور انفرادی واجتماعی فوائد ملحوظ ہوں، اوراس کی تبلیغ ودعوت ہو، اس کی روشنی میں معاشرت کا جائزہ لیا جائے۔

۲- علم حدیث کے طلباء اوراس کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں کی تصحیح کریں اپنے اندر اخلاص واحتساب پیدا کریں، تقرب الی اللہ کا جذبہ پیدا کریں، اس کے ثواب اور توفیق کی امید رکھیں اور طلب دنیا اور مادی اغراض ومقاصد کو دل سے نکال دیں، شہرت ونا موری اور حصول دنیا کا جذبہ ان کے اندر نہ ہو، اگر بغیر قصد وارادہ کے بھی یہ بات دل میں پیدا ہو تو اس کو کھرچ کر پھینک دیں۔

۳- ایمان واحتساب اور حدیث نبوی کی قدرومنزلت کی معرفت کے ساتھ اس کا وہ ادب واحترام جو اس کے شایان شان ہے ملحوظ رکھیں تواضع وفروتنی کا اظہار اور پھر اللہ تعالی

کی عطا فرمائی ہوئی توفیق وسعادت پر اس کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں حدیث کے مدرسین ومعلمین اور طلبہ حدیث کے محیر العقول واقعات تاریخ کی زینت ہیں کہ وہ کس طرح اس کے درس ومطالعہ کے وقت باضو اور آداب ملحوظ رکھتے تھے۔

۴- حدیث کا ہر طالب علم چہ جائیکہ معلم ومحقق ہو اس کو لوگوں کے لیے اخلاق ومعاملات میں طور وطریق میں اسوہ ونمونہ ہونا چاہئے، علم حدیث اور سیرت وسنت سے اشتغال کی تاثیر اس کی زندگی سے نمونہ ہونی چاہئے۔

۵- یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ مذاہب فقہیہ جن پر زمانہ قدیم سے عمل چلا آرہا ہے، جن میں احکام کے استنباط واستخراج کی بنیاد کتاب وسنت ہے، ان کو ہدف ملامت نہ بنایا جائے، اس لیے کہ یہ بے موقع صلاحیتوں کا ضائع کرنا ہے، اور وقت کا ضیاع ہے ۔(ماخوذ از ''میزان عمل'' از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صفحہ ۳۲/۳۱)

علم ودعوت کے کام سے وابستہ لوگوں کو وصیتیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ علماء اور داعیوں کو ان صفات وخصوصیات سے متصف دیکھنا چاہتے تھے، جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے اور جن کی اہمیت وافادیت حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے، ان کا یہ جذبہ اور حساسیت عربی زبان کے تعلق سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی، چنانچہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۲ء میں حیدرآباد میں آل انڈیا عربک سیمنار میں آخر میں بڑی قوت اور صفائی سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔

کسی زبان کی تحصیل میں سب سے طاقتور محرک دینی اور روحانی ہے

''میری اس گزارش کا مدعا یہ ہے کہ کسی زبان کی تحصیل اور اس میں حصول کمال کے

محرکات میں سب سے طاقتور محرک دینی اور روحانی ہے، یہ محرک وہ جرِّ ثقیل ہے، جو بڑی سے بڑی وزنی چیز کو چشم زدن میں سطح زمیں سے اٹھا کر بڑے سے بڑے ایوان بلند تک پہنچا دیتا ہے، جب صحیح جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، تو انسان اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے، اس لیے کہ جب بات ٹھہری دینی اور اندرونی جذبہ کی، تو یہ جذبہ جتنا زیادہ قوی ہوگا، اسی قدر زبان وقلم میں طاقت وتاثیر پیدا ہوگی، اگر عربی زبان کا کوئی طالب علم قرآن مجید کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھنا چاہے گا اور اس پر محنت کرے گا، تو وہ بڑے سے بڑے عرب سے بڑھ جائے گا، ذہانت واندرنی صلاحیتوں کو حرکت میں لانے والی سب سے بڑی طاقت، عشق اور جذبہ ہے۔ (تحفۂ دکن طبع اول صفحہ ۲۰)

عربی زبان کا مزاج نبوی، ایمانی اور دعوتی ہے

مزید مولانا نے توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ: ''میں عربی زبان کی سیاسی ومعاشی اہمیت وافادیت کا انکار نہیں کرتا؛ لیکن آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس کے ساتھ اس بنیادی حقیقت کا اضافہ کریں کہ اس کا اصل فائدہ دین کو صحیح طور پر سمجھنا قرآن وحدیث کے مضمرات کو قرآن وحدیث کی ہی زبان میں ان کے لانے والے کے منشاء کے مطابق معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور کچھ ''سوز دروں'' پیدا کرنا ہے، پھر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عربی زبان آپ کے لیے اپنے خزانے اگل دے گی، میں آپ سے عرض کروں گا کہ عربی زبان خالص سیاسی ومعاشی زبان نہیں ہے، انسانوں، قوموں اور ملکوں کی طرح زبانوں کا بھی مزاج ومنفرد شخصیت ہوتی ہے، عربی زبان کا مزاج نبوی، ایمانی اور دعوتی ہے۔ (بحوالہ سابق صفحہ ۲۱)

بنگلہ زبان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیجیے

۱۴؍مارچ ۱۹۸۴ء کو بنگلہ دیش میں پڑھے لکھے لوگوں کے ایک مجمع کو خطاب کرتے

ہوئے ایک اہم نقطہ کی طرف توجہ دلائی اور ایک راہِ عمل دیا کہ: ''یہاں کی زبان (بنگلہ زبان) کو آپ اچھوت نہ سمجھئے، بنگلہ زبان کو آپ یہ نہ سمجھئے کہ اس کے پڑھنے لکھنے میں کوئی ثواب نہیں ہے، یا عربی میں ثواب ہے، یا اردو میں ثواب ہے، آپ کو بنگلہ زبان میں مہارت پیدا کرنا چاہئے، بنگلہ زبان میں آپ اچھے لکھنے والے بنئے، آپ ادیب بنئے، مصنف بنئے، مقرر بنئے، آپ کی زبان میں مٹھاس ہو، رس ہو، آپ کی زبان ایسی ہو کہ ہم لوگ غیر مسلم ادیبوں کی تحریر پڑھنے کے بجائے آپ کی تحریریں پڑھیں اور مست ہوں، جھومیں، بنگلہ زبان کو غیر مسلموں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیئے، یاد رکھئے قلم کے ساتھ اثر آتا ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ خطوط کے ذریعہ سے بھی توجہ دی جاتی ہے، جب کوئی شیخ توجہ سے خط لکھتا ہے تو اس خط میں تاثیر ہوتی ہے۔

میری بات یاد رکھئے کہ بنگلہ زبان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیجئے، دو قسموں سے ایک غیر مسلموں سے ایک غیر اسلامی سے، غیر اسلامی مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں اور اگر آپ بنگالی زبان سے قطع تعلق اور پرہیز کریں گے تو یہ ایک طرح کی معنوی خودکشی ہوگی۔ (انتخاب از تحفۂ مشرق)

عوام آپ کے اثر سے نکلنے نہ پائیں

علماء کو ایک خاص وصیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے سفر بنگلہ دیش میں یہ بھی فرمائی کہ ''اب نیا میدان ہے جس کی طرف آپ کو توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ عوام آپ کے اثر سے نکلنے نہ پائیں، وہ آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ آپ اس ملک میں رہ کر بھی غیر ملکی ہیں۔

یہ ثابت کریں کہ اسلام زندگی کا نہ صرف ساتھ دے سکتا ہے بلکہ رہنمائی کرسکتا ہے

علماء اور دانشوروں کے ایک مجمع کو جامع مسجد فیصل آباد (پاکستان) میں خطاب کرتے

ہوئے وصیت فرمائی کہ: ''سب سے بڑا کام اس وقت یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ اسلام اپنی اسی روح اور مقاصد کے ساتھ اور اپنے انھیں اصولوں کے ساتھ زندگی کا نہ صرف ساتھ دے سکتا ہے؛ بلکہ رہنمائی کرسکتا ہے، اس تأثر کو غلط ٹھہرائیں جو نوجوان طبقہ میں آرہا ہے کہ اسلام محض طاقت اور حکومت کے بل پر قائم رہ سکتا ہے اور وہ زمانہ کی تبدیلیوں اور علم وفن کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور یہ ثابت کریں کہ وہ تمدن صحیح انسانی تمدن نہیں اور وہ ریاست معتدل اور محفوظ ریاست نہیں جو اسلام کے اصولوں سے ہٹ جائے، یہ ثابت کرنا ہمارا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

دین وملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہیے

دوسرا فریضہ یہ ہے کہ اسلام کے مفاد کو ہر جماعت ہر ادارہ، ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں، ہمیں دین وملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہیے، سہرا کسی کے سر بندھے سہرا ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ صحابۂ کرام کے دل سے یہ شوق نکل گیا تھا، کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔

جتنا بھی ہوسکے ایثار سے کام لیں

تیسری بات یہ کہ ہم جتنا بھی ہوسکے ایثار سے کام لیں اور باہمی نزاع سے پرہیز کریں، ہماری زندگی جتنی سادہ ہوگی، ہماری زندگی میں جتنی قربانی ہوگی، اتنا ہی اثر پڑے گا، اتنا ہی بہتر نتیجہ نکلے گا، سب سے خطرناک بات آپس کا نزاع ہے، چند باتیں حضرت مولاناؒ نے مزید فرمائیں، ایک یہ کہ ''آپ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ تأثر نہ لینے دیں کہ کتاب وسنت موجودہ تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتا ہے، یہ خیال بڑا خطرناک ہے، یہ الحاد تک پہنچا سکتا ہے، دوسری بات یہ کہ آپ عمل سے عوام پر اور خواص پر جو حکومت میں

ہیں یہ تأثر دیں کہ آپ کی سطح عوام کی سطح سے بلند ہے، آپ کی زندگی میں سادگی نظر آئے اور قناعت دکھائی دے۔ (تلخیص از دعوت فکر وعمل، حدیث پاکستان)

آپ کے اندر حیات، حرکت اور حرارت ہونی چاہیے

علماء اور خواص کے ایک مجمع کو کشمیر (انڈیا) میں خطاب کرتے ہوئے یہ وصیت کی، کہ تین شرطیں پائی جانی ضروری ہیں: حیات، حرکت، حرارت، حیات ہے اور حرکت نہیں تو زندگی ویسی ہو جائے گی جیسے بہتا ہوا پانی جو رکنے کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے اور تعفن پیدا ہو جاتا ہے، تو حرکت نہ ہونے سے معاشرہ اور حیات ملی میں فساد آجائے گا، ایسے ہی حرارت بھی ہو، یعنی آپ کے اندر تعلق مع اللہ، عشق رسول، لقائے رب اور جنت کا شوق، ایمان کی قوت اور حق بات کہنے کی جرأت باقی ہو اور آپ کے ذریعہ سے ایمان اور عمل کا ایک کرنٹ دوڑنے لگ جائے، تو حرارت بھی ضروری ہے حرارت ایمانی اور حرارت عشقی دونوں ہونی چاہیے۔

ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہورہی ہے، اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہورہا ہے یا بڑھ رہا ہے، قمار خانے زیادہ آباد ہورہے ہیں، یا مسجدیں، مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی؟ کوئی خراب عادت تو نہیں بڑھ رہی ہے، اس کے لیے عوام سے ربط ضروری ہے، خواص کو عوام تک پہنچانا چاہیے تاکہ معلوم ہوسکے کہ دین بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

عقیدۂ توحید راسخ کرنے میں قرآن مجید سے بڑھ کوئی چیز نہیں

اور ایک بات اور ہے وہ یہ ہے کہ عقیدۂ توحید راسخ کرنے، شرک کی بیخ کنی اور عقائد

کی اصلاح میں قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی تریاق اور قوی التاثر چیز نہیں ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ شہر اور ملک کے مختلف مقامات پر درس قرآن کو رواج دیں اور شرح و تفسیر میں خاص طور پر عقیدۂ توحید اور رد شرک پر زور دیں، پنجاب میں مولانا حسین علی صاحب بچھرایونی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس سے بڑا کام لیا اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کو اس سے نفع پہنچا اور ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔ (ملاحظہ ہو تحفۂ کشمیر صفحہ ۲۳ تا ۳۶)

صحیح خوشگوار کامیاب زندگی گزارنے کی بنیادی شرطیں

تحفۂ کشمیر سے اہل علم و دانش کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم وصیت یہاں ذکر کی جاتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ: ''شریفانہ انسانی زندگی گزارنے کا بنیادی فن خداترسی، انسان دوستی، ضبط نفس کی ہمت و صلاحیت، ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت، انسانیت کا احترام، انسانی جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ کا جذبہ، حقوق کے مطالبہ پر ادائے فرض کو ترجیح، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت و حفاظت اور ظالموں و طاقتوروں سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ، ان انسانوں سے جو دولت و وجاہت کے سوا کوئی جوہر نہیں رکھتے عدم مرعوبیت، و بے خوفی، ہر موقع پر اور خود اپنی قوم، اپنی جماعت کے مقابلہ میں کلمۂ حق کہنے کی جرأت، اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف اور ترازو کی تول، کسی دانا و بینا طاقت کی نگرانی کا یقین اور اس کے سامنے جواب دہی اور حساب کا کھٹکا، یہی صحیح خوشگوار و بے خطر اور کامیاب زندگی گزارنے کی بنیادی شرطیں اور ایک اچھے و خوش اسلوب معاشرہ اور ایک طاقتور و محفوظ و باعزت ملک کی حقیقی ضرورتیں اور اس کے تحفظ کی ضمانتیں ہیں، اس کی تعلیم اور اس کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنا دانشگاہوں کا اولین فرض اور اس کا حصول تعلیم یافتہ نسل اور ملک کے دانشوروں کی پہلی ذمہ داری ہے اور ہم کو اس جیسے تمام مواقع پر دیکھنا چاہئے کہ اس کام کی تکمیل میں ہماری

دانشگاہیں کتنی کامیاب اور ان کے سند یافتہ افراد و فضلاء کتنے قابل مبارکباد ہیں اور آئندہ ان مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لیے ہم کیا عزائم رکھتے ہیں اور ہم نے کیا انتظامات سوچے ہیں۔ (تحفۂ کشمیر صفحہ ۱۰۳/۱۰۴)

نامی گرامی خاندانوں سے انتساب رکھنے والوں کو وصیتیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وصیتیں ان حضرات کے لیے ہیں، جن کے خاندان و نسب کی ایک شہرت رہی ہے اور انہیں دینی ملی و علمی کارناموں کی وجہ سے ایک مرتبہ حاصل رہا ہے، اور وہ اپنا خاندانی انتساب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلام کے مجاہدین و فاتحین کی طرف کرتے ہیں اور شرفاء خاندانوں سے تعبیر کئے جاتے رہے ہیں، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دیپال پور (مدھیہ پردیش) میں ایک ایسے مجمع میں جن میں ان حضرات کی کثرت ہے جو اپنے کو سادات و شیوخ کے خاندانوں سے بتاتے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جھنجھوڑنے والی نصیحتیں کرتے ہوئے فرمایا:

دین کی ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا

بھائیو! نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالی کا معاملہ ہے کہ ان کی ذراسی غلطی اور ان کی ذراسی ناقدری اور غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے، جتنی ناقدری کہ اللہ کی شریعت کی ناقدری، اس پر نہ چلنا جس پر ان کے بزرگوں نے، اسلاف نے سر کٹا دئے ہیں، اس پر وہ انگلی بھی نہ ہلائیں اس پر وہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں، اپنے بچے کے لیے ذرا سا خطرہ بھی نہ مول لیں، کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا، یہ نیک دیندار بنے گا، تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی، اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی جو دوسروں کی ہے، جنہوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا، تو دین کی اس ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا۔

شرفاء کی بستیوں میں فلاکت

میں ملک ملک پھرا ہوں اور ہندوستان کا توچپہ چپہ تقریباً دیکھا ہے، میں نے ہر جگہ شرفاء کی بستی میں فلاکت دیکھی، خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں جہاں ہمارے بزرگ تھے اور جہاں ان کے مزارات ہیں اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں، آج وہاں جائیے تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاکت برستی ہے اور فلاکت کیا برستی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے، ایسی شرفاء کی بستیاں، ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے، محض اللہ کی شریعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لیے باعث ترقی نہ سمجھنا، باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لیے باعث کامیابی سمجھ لینا، یہ بات اللہ تعالی کو ہر ایک کی بری معلوم ہوتی ہے، لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں اور اپنے کو اشراف کہیں ان کے لیے تو بالکل ناقابل برداشت ہے، اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، ہمارے اور آپ کے لیے ترقی کا راستہ دین اور علم دین کا راستہ ہے، اس میں جو بات ہمیں تھوڑی محنت سے حاصل ہوگی، وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

دین وشریعت کی قدر اور اس کے نتائج

آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانون کی خاص بیماری ہے میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی، گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفاء اور خاندانی لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہے کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے، جنھوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، دوسو برس سے اسلام قبول کیا ہے، وہ خوب پھل پھول رہے ہیں، ماشاء اللہ بڑے متحد ومتفق ہوکر رہ رہے ہیں، حفظ قرآن کا ان میں رواج ہے، علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے، ان کے خاندانوں میں

برکت ہے، ان میں شریعت کا احترام، نماز کی پابندی ہے اور ماشاء اللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے شرفاء کے یہاں نہیں ہے، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے عالم، وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے دین کی قدر کی، شریعت کی قدر کی اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے- ہم چو من دیگرے نیست - وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی، اللہ تعالی نے اس کی برکت سے یہ نعمت وبرکت ان کو عطا فرمائی:

تین زریں ہدایات

تو پہلی بات یہ ہے کہ ناچاقی اور نااتفاقی سے بچیئے، اللہ کے لیے دل کو صاف کرلینا، کدورت کو نکال دینا، بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنھوں نے کھلی ناانصافی کی ہے، ان چیزوں میں اللہ کے یہاں بڑا ثواب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی، بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقے پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کو حق دینا اور جس کا جو حق ہے اس کو پہنچانا، ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائیدادیں ہیں، لیکن فلاکت برستی ہے۔

تیسری بات جو مولوی معین اللہ صاحب (سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے کہی کہ بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا، یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے، یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے۔

اور ایک بات یہ ہے کہ اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہئے تبلیغ کے عنوان سے دین کو باقی رکھنے کے لیے ساری دنیا میں ایک کوشش جو ہورہی ہے اس میں بھی آپ حصہ لیں۔

آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں

آخری بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، بس یہ پکی بات ہے، سن لیجئے، ایک وہ موقع تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی اور جان توڑ کوشش کی تھی کہ وہ دنیا کے راستہ سے، بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کرکے کامیابی حاصل کرلیں، تو اللہ نے ان کو منہ کے بل گرایا اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے ایسے ذلیل نہیں ہوئے تھے، مجھے اسی زمانہ میں وہاں جانے کا موقع ملا اور میں نے جدہ میں مکہ مکرمہ میں خطاب کیا اور کہا دیکھو بھائی! ترک کامیاب ہوجائیں، ایرانی کامیاب ہوجائیں، تم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، اللہ میاں تمہیں کان پکڑ کے اور باندھ کرکے لائیں گے اور دین ہی کے دروازے پر تم کو ڈالیں گے، اگر کچھ ملے گا، تو یہیں کی بھیک ملے گی، یہیں کی خیرات ملے گی، تم سو سر کے ہوجاؤ، تم کامیاب نہیں ہوسکتے، ہم نے ان سے کہا کہ تمہارے لیے اللہ تعالی کے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ، یہی میں آپ سے کہتا ہوں اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں کہ جن کے آباء واجداد میں اللہ تعالی نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے، تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی، پچاس باتوں کی یہ ایک بات ہے۔ (ملاحظہ ہو تحفۂ دین ودانش، از حضرت مولانا علی میاں ندوی ۲۴ تا ۳۰)

حضرت مولانا کی وصیتیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی

حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیتیں انفرادی طور پر بھی ہیں اور اجتماعی طور پر بھی، راولپنڈی، پاکستان کے ان کے ایک محبّ مخلص ومرید صادق جناب طلعت محمود صاحب نے زندگی گزارنے کے ایک دستور العمل کے طور پر ہدایات چاہیں،

کیسٹ کے ذریعہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ وصیتیں فرمائیں، یہ کیسٹ انھوں نے پاکستان کے ایک ممتاز عالم جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کو سنایا، انھوں نے بڑی توجہ سے اسے سماعت فرمایا اور اپنے ایک رفیق مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب کو تاکید فرمائی کہ اسے وہ قلمبند کردیں، ان کی اس ہدایت پر مولانا میمن نے عمل کیا اور ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی میں مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نے یہ مضمون (وصیت نامہ) شائع کرایا، پھر اسی مضمون کو صدیقی ٹرسٹ کراچی نے ''زندگی گزارنے کا بہترین دستور عمل'' کے عنوان سے بڑی تعداد میں شائع کیا، انہی کے شکریہ کے ساتھ یہ وصیت نامہ بھی نذر قارئین کیا جارہا ہے:

زندگی گزارنے کا بہترین دستور العمل

ایک ایسے عزیز بھائی اور دوست کے لیے یہ پیغام ریکارڈ کرارہا ہوں جو یہاں سے بہت دور ہیں جن کو دیکھ کر بات چیت کرنی مشکل ہے۔

اصل میں ہماری کتاب ''دستور حیات'' کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے، اس میں زندگی کا دستور العمل اور طریق کار آ گیا ہے، لیکن ایک خصوصیت کی بناء پر اور پھر ان کی طلب اور خواہش پر چند متفرق باتیں ریکارڈ کرارہا ہوں۔

فرائض کی پابندی

پہلی بات یہ ہے کہ فرائض کی پابندی کی جائے، نمازیں اپنے وقت پر پڑھی جائیں، اور بڑے اہتمام، بلکہ احترام کے ساتھ پڑھی جائیں، اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے ان کو ادا کیا جائے اور جہاں تک ہوسکے سنتوں کے مطابق ہو، صرف عبادات ہی میں نہیں، بلکہ عادات میں بھی ''ایمان واحتساب'' کی نیت شامل ہوجاتی ہے، یعنی یہ استحضار اور ذہن

میں یہ بات تازہ ہوجاتی ہے، کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا کیا وعدے ہیں اور اس پر اس نے کتنا ثواب مقرر کر رکھا ہے، تو وہی عادت عبادت میں تبدیل ہوجاتی ہے، صرف روزہ ہی کو لے لیجئے کوئی بھی شخص روزہ شوقیہ یا تفریحاً یا عادۃً نہیں رکھتا، اس لیے کہ اس میں کھانا، پینا چھوڑنا ہوتا ہے، بھوک تکلیف گوارہ کرنی پڑتی ہے، بہت سی احتیاطیں برتنی پڑتی ہیں، لیکن اگر یہی روزہ ماحول کے دباؤ سے یا لوگوں کی تعریف کے خیال سے یا عادۃً محض اس لیے کہ ہر مرتبہ رمضان میں روزے رکھتے ہی ہیں، اب کے روزے کیوں چھوڑے جائیں، تو ایسے روزے میں وہ اجر وثواب نہیں ہے، جس کا حدیث میں وعدہ آیا ہے کہ: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیمَاناً واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه" جو شخص رمضان کے روزے رکھے گا، اللہ کے وعدوں پر یقین جماتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

معلوم ہوا کہ روزہ، جیسا مجاہدہ اور پر مشقت چیز بھی آدمی عادۃً کرسکتا ہے، اور اس سے غفلت ہوسکتی ہے، کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا وعدے ہیں، مثلاً یہ وعدہ کہ ہر چیز کا بدلہ ایک نیکی سے لے کر دس نیکیوں تک دیا جائے گا، بلکہ سات سو نیکیوں تک بھی دیا جائے گا، سوائے روزے کے کہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا، تو معلوم ہوا کہ روزہ بھی اس طرح ہوسکتا، کہ آدمی کو نہ تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہو اور نہ اس کے اجر وثواب کا لالچ اور شوق ہو، بلکہ عادۃً یا ماحول کے اثر سے رکھے یا اس ڈر سے رکھے، کہ لوگ کیا کہیں گے، کہ یہ آدمی روزہ خور ہے، اس کو شرم نہیں آتی تو اگر روزہ بغیر کسی نیت کے ہو، اور اللہ کے وعدوں کا استحضار نہ ہو، اور اس کے اجر وثواب کی طمع اور لالچ نہ ہو پھر اس پر کوئی اجر وثواب نہیں۔

روزہ کھولنے میں مزہ آتا ہے

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ہماری ایک تقریر جو ہم نے ریکارڈ کرائی تھی وہ سنائی جارہی تھی اور اتفاق سے اس وقت ہم کوئٹہ میں تھے، یہ تقسیم سے پہلے یعنی ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے، وہاں کے ایک بڑے ملٹری آفیسر نے جو مسلمان تھے، انہوں نے افطار کی دعوت کی، وہ بریلی کے رہنے والے تھے، ہم گئے تو وہ ہماری تقریر سن کر آئے تھے، ہم تو نہیں سن سکے تھے، تو انہوں نے کہا کہ آج ہم نے آپ کی تقریر سنی، بڑی کام کی باتیں ہیں، آپ نے سب باتوں کا ذکر کیا ایک بات کا ذکر نہیں کیا، کہ روزہ کھولتے وقت جو مزہ آتا ہے، اس کا آپ نے ذکر نہیں کیا، میں تو روزہ رکھتا ہی اس لیے ہوں کہ جو مزہ افطار کے وقت آتا ہے، وہ مزہ کسی دعوت میں، کسی بڑے سے بڑے کھانے میں بھی نہیں آتا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اتھیسٹ ہیں، ایمان ان کو حاصل نہیں ہے، بلکہ وہ پیدائشی مسلمان ہیں اور عقیدہ ان کو بھی حاصل نہیں ہے، لیکن روزہ بڑے اہتمام سے رکھتے تھے، اس لیے کہ روزہ کھولنے میں مزہ آتا ہے۔

اپنے تمام معمولات میں اللہ کی رضا کی نیت رکھے

اس طریقے سے مسجد جاتے وقت خیال کرے کہ مسجد میں جانے کا کیا ثواب ہے، اس کی مسنون دعا بھی پڑھے اور مسجد میں دایاں قدم رکھے اور اس وقت یہ خیال کرے، کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے اور سنت ہے اور پھر اس کے بعد وہاں بھی جو تھوڑا سا وقت ملے، وہ ادب اور احترام کے ساتھ گزارے اسی طریقے سے صبح وشام کی دعائیں اور جو آداب ہیں کھانے پینے کے، بلکہ ملنے جلنے میں بھی کپڑے پہننے میں بھی اور اپنے معمولات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت رکھے۔

کوئی کام اللہ کی رضا کی نیت کے بغیر نہیں

اس پر یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس وقت ان کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور کل عمر ہی ان کی ۴۶ رسال ہوئی، تو فرمایا کہ جب سے شعور آیا ہے اور جب سے سمجھ آئی ہے، اس وقت سے لے کر اب تک کوئی کام چاہے وہ امر طبعیہ میں سے بھی ہو، مثلاً ہنسنا، بولنا، کھانا، پینا لوگوں سے ملنا، کپڑے پہننا، رات کو سونا دن کو آرام کرنا، کوئی بھی ایسا نہیں کیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت نہ ہو، کتنی بڑی بات ہے کہ آدمی امور طبعیہ میں بھی جس کو آدمی دن رات میں پچاس مرتبہ کرتا ہے، اور بعض مرتبہ تو خیال بھی نہیں ہوتا بالکل عام طور پر غفلت میں سب کام ہوتے ہیں بعض اوقات کسی کے ڈر سے یا کسی کی لالچ میں یا آداب محفل کے طور پر یا طبعی امور کے طور پر کرتے ہیں، یہاں تک کہ وضو بھی بہت سے لوگ ایسے کرتے ہیں جیسے آٹومیٹک طریقے پر مشینی وضو ہوتا ہے اور آج کل ہر مسجد میں ٹونٹیاں لگ گئی ہیں، ٹونٹی کھولی ان میں سے پانی آرہا ہے اور اعضاء اسی طرح دھل رہے ہیں جیسا کہ مشین میں کوئی چیز آدمی ڈال دے اور دھلی دھلائی چیز باہر آجائے، تو بہت سے لوگ اس طرح وضو کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے، اور ہمیں بھی معاف کرے کہ وضو تو ہو جاتا ہے، کوئی فتویٰ نہ دے گا، کہ وضو نہیں ہوا، لیکن وضو کا جو ثواب ہے اور وضو سے جو روحانی ترقی ہوتی ہے، وہ حاصل نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس وقت اس کا استحضار نہیں ہوتا کہ وضو پر کیا ثواب ملتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت آدمی ہاتھ دھوتا ہے، تو پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سب گناہ یا بے احتیاطیاں جو ان اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں، پانی کے ساتھ دھل جاتی ہیں۔
جب منہ پر پانی ڈالتا ہے، تو اس وقت آنکھ کان سے جو تقصیریں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں، وہ سب معاف ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح اور اعضاء کا بھی یہی حال ہے، تو ایک وضو سے

انسان اتنی بڑی کمائی کرسکتا ہے، اور اتنی بڑی روحانی ترقی کرسکتا ہے، جو بلا نیت کے کسی بڑے سے بڑے مشکل کام سے بھی حاصل نہیں کرسکتا، بس یہ خیال کی بات ہے اور دھیان کی بات کہ اس چیز کے بارے میں پہلے تو جاننا مفید ہوگا کہ اس پر کیا اجر وثواب ہے؟ کیا وعدے ہیں اور اس کے بعد اس کو تازہ کر لینا اس کو حاضر کر لینا کہ یہ جو میں کام کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مجھے یہ ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ اس سے اتنا خوش ہوگا اور میں سنت کے مطابق ادا کر رہا ہوں۔

ہر کام میں اللہ کی طرف دھیان ہونا چاہیے

ایسے ہی اعزہ کے حقوق ادا کرنا، دوسروں کے ساتھ معاملات کرنا، تجارت ہے، دوکان داری ہے، یا اور جو ضروریات زندگی ہیں وہ ادا تو کی جاتی اور ان کی تکمیل تو کی جاتی ہیں، ان سے تو چارہ نہیں۔
لیکن کسی دھیان کے بغیر ہوتا ہے، کون سا دھیان؟ اس کا دھیان ہوتا ہے کہ اس کو اچھے طریقے سے انجام دیں، لیکن اس کا دھیان نہیں ہوتا، کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا وعدے ہیں، کیا اجر وثواب ہے، اور اس سے ہم کیا کما سکتے ہیں، کھانے کو ہی لیجئے، کھانے پر بیٹھ گئے، بسم اللہ بھی کہہ لی، ہم یہ نہیں کہتے، کہ لوگ بغیر بسم اللہ کے کھاتے ہیں، لیکن اس کے آگے کچھ نہیں اول سے آخر تک غفلت کے ساتھ، جب کھانا کھانا ہی ہے اور کھانا کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے لیکن خیال نہیں لاتے، کہ کھانا کھائیں گے، اس سے طاقت آئے گی اور طاقت آئے گی، تو اچھی طرح نماز پڑھیں گے اور حقوق العباد ادا کریں گے، اور زندگی کے فرائض اللہ اور اللہ کے رسول کی ہدایت اور حکم کے مطابق ادا کریں گے اور یہ قوت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کام آئے گی، تو اس کھانا کھانے پر اجر وثواب مرتب ہوجائے گا، اسی طریقے سے اور چیزوں کو قیاس کر لیجئے، والدین کی خدمت ہے یہاں تک

اپنے گھروں میں اہل خانہ کے ساتھ بات اور موانست اور خوشی حاصل کرنا، ان سب کی نیت کو تازہ کرلے، یہ مشق کرلے کہ ہر کام نیت کے ساتھ ہو تو بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی، یوں سمجھ لیجئے، کہ تحت الثریٰ سے ثریا تک پہنچ جائے گی، زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ جائے گی، اس لیے کسی عمل میں بلندی اور قیمت اللہ تعالی کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے، اور دین کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ کافر اور مومن سب ایک طرح کام کرتے ہیں، وہ بھی زراعت کرتے ہیں، وہ بھی تجارت کرتے ہیں محنت مزدوری کرتے ہیں اور بڑی محنت سے کام کرتے ہیں اور بڑی رقم بھی خرچ کرتے ہیں مگر بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی اجر وثواب کی امید کے۔

بھائی یہ ایک اصول کے طور پر عرض کیا جا رہا ہے، اللہ تعالی ہمیں بھی توفیق دے اور سننے والوں کو بھی توفیق دے، ہر کام اللہ کے اجر وثواب کی نیت کے ساتھ اور ذہن کو حاضر کر کے کرنا چاہئے اور ہو سکے تو اس پر قرآن وحدیث میں جو کچھ آیا ہے اس کو تازہ کر کے وہ کام کیا جائے، تو اس سے ولایت کا درجہ تک حاصل ہو سکتا ہے۔

اسی پر اکتفا کرتا ہوں خدا کرے کہ اس سے کہنے والے کو بھی نفع ہو اور سننے والے کو بھی۔

ڈاکٹروں اور معالجوں کو وصیت

معالجین اور ڈاکٹر حضرات کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے یہ وصیت فرمائی کہ ''صرف دو باتیں کہتا ہوں ایک تو یہ کہ اپنی نیت اللہ کی رضا رکھیں اور یہ یقین جمائیں کہ ہم عبادت میں مشغول ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں؛ بلکہ فتوی دیتا ہوں کہ آپ عبادت میں مشغول ہیں اور عبادت بھی افضل عبادت، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے ''من نفس عن مومن كربة نفس الله عنه كربته يوم القيامة (جو یہاں کسی مسلمان

کی تکلیف دور کرے گا، اللہ اس کی تکلیف کو قیامت کے دن دور کرے گا ''الله فی عون العبد ما كان العبد فی عون اخيه'' (اللہ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے) اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اسلام دین توحید ہے، اس سلسلہ میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالی قیامت میں بعض لوگوں سے فرمائے گا کہ اے فلاں میں بیمار ہوا تھا، تو مجھے دیکھنے نہیں آیا تھا تو وہ کہے گا بار الٰہا! کیا آپ بیمار ہو سکتے ہیں؟ کہے گا نہیں، میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اسے دیکھنے جاتا تو مجھے وہاں پاتا، اس سے بڑھ کر مرتبہ نہیں ہو سکتا۔

شفا دینے والا اللہ ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں تھوڑا سا اخلاق بھی شامل کر دیں اور تھوڑی سی محبت اور دین کا بیج ڈال دیں، جو کبھی نہ کبھی کام آئے گا، اتنا ہی کہہ دیں کہ اللہ شفا دیتا ہے، بھائی اس دوا وغیرہ میں کچھ نہیں، نہ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے، شفا دینے والا اللہ ہی ہے، جیسے ہمارے یہاں حکماء ''ہوالشافی'' لکھا کرتے ہیں، اتنا ہی کہہ دیں، پھر ان شاء اللہ شفا ہو گی، تو اس کے دل میں نور ایمان پیدا ہو جائے گا، میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور خاص طور پر صدر صاحب کو اور اسلامک فاونڈیشن کے ذمہ داروں کو کہ انھوں نے بہت صحیح انتخاب کیا، یہ صرف ملک کی خدمت نہیں ہے، دین کی بھی خدمت ہے، یہ شفا خانے اور یہ میڈیکل سنٹر قائم کر رہے ہیں، ان میں سے کئی قائم ہو چکے اور کئی قائم کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالی اس کو مکمل کرے، مریض آپ کے پاس آئیں، ہمارے مسلمان ڈاکٹروں کے پاس آئیں دوا بھی پائیں، دعا بھی پائیں اور شفا بھی پائیں، جسم کی دوا اور روح کی شفا آپ کے اخلاق ہی سے وہ بہت کچھ متاثر ہو جائیں گے۔

مذہب کی تفریق نہ کریں

میں یہ بھی کہوں گا کہ غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی اخلاق برتیں، کوئی فرق نہ کریں، اس میں مذہب کی کوئی تفریق نہ کریں، ان کو بھی اللہ کا بندہ سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ اللہ نے ان کو بنایا ہے اور ان کے اچھے ہوجانے سے ان کا بنانے والا خوش ہوگا اور ہمیں اس پر ثواب ملے گا، آپ بالکل تفریق نہ کریں، بلکہ اگر ایسا ہو تو یہ نہیں کہ پہلے مسلمانوں کو دیکھیں پھر ان کو بلائیں کہ آپ ذرا ٹھہرئیے یہ نہیں، یہ بھی ان کو نہ محسوس ہو کہ آپ کوئی فرق کرتے ہیں۔

خواتین زیادہ خدمت کرسکتی ہیں

خواتین کا کردار بھی اس سلسلہ میں مردوں سے کم نہیں؛ بلکہ وہ زیادہ خدمت کرسکتی ہیں اور ایسے دلوں کو وہ اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہیں جن کو مرد نہیں لے سکتے، اس شعبہ میں زیادہ ضرورت ہے اور اس میں بڑی کمی ہے، ہمارے ہندوستان میں بھی بڑی کمی ہے، ان بہنوں کی، ان خواتین کی جو خدمت کرسکیں اور بیماروں کو بہت نازک موقعوں پر سنبھال سکیں۔

ساکنین حرم وزائرین بیت اللہ کو وصیتیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفر حجاز ۱۴۰۸ھ میں ساکنین حرم وزائرین بیت اللہ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعائی وصیت یاد دلاکر مکہ معظّمہ کی زبان میں اہم پیغام دیا جو یہاں درج کیا جارہا ہے: ''وَاِذقَالَ إِبرَاھِیمُ رِبِّ اجْعَلُ ھٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَّاجْنُبْنِیُ وَبَنِیَّ أَنُ نَعْبُدَالأَصُنَامَ'' ۔(سورۃ ابراہیم ۳۵)

ترجمہ: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ۔

مکہ کا دائمی پیغام چند اجزاء پر مشتمل

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظّمہ کا دائمی پیغام، نشان اور شعار اور اس کی دعوت چند اجزاء پر مشتمل ہے۔

توحید خالص کی دعوت

۱- توحید خالص کی دعوت جو'' وَاجْنُبْنِی وَبَنِیَّ أَنُ نَعْبُدَالأَصُنَامَ الی قولہ تعالی وَمَنُ عَصَانِیُ فَاِنَّكَ غَفُوُرُالرَّحِیُم'' سے عیاں ہے، شرک وبت پرستی کے اس عالمگیر دور ظلمت میں جس میں توحید کی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی، صدیوں کے بعد یہ پہلی انقلاب انگیز، وزلزلہ خیز صدا تھی، جو اس مقام اور بانی بیت الحرام کی زبان مبارک سے بلند ہوئی۔

عبادت دائمی

۲- دوسرے عبادت دائمی اور اقامت صلوۃ کی وہ لافانی وصیت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر ساکن حرم اور اپنی اولاد کو دی: ''رَبَّنَا إِنِّیُ أَسُكَنتُ مِنُ ذُرِّیَتِیُ بِوَادٍ غَیرِ ذِیُ زَرُعٍ عِندَ بَیُتِكَ الْمُحَرَّمُ رَبَّنَا لِیُقِیُمُوا الصَّلٰوۃَ ''۔(سورۃ ابراہیم ۳۷)

ترجمہ: اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں۔

خوداس مقام کاانتخاب جوزراعت وتجارت اورتمدن وترقی کے بنیادی ولابدی اسباب سے خالی ہے ”بواد غیر ذی زرع“ اس شعور وعزم کو تازہ کرنے والا ہے کہ دنیا کے سرسبز وشاداب اور متمدن وترقی یافتہ شہروں اور تجارت وزراعت کے مرکزوں کو چھوڑ کر (جہاں سے حضرت ابراہیم کا اس سفر ہدایت میں گزرنا ہوا تھا) اس جگہ کا انتخاب کیوں کیا گیا اور اس کو بیت اللہ کی تعمیر اور آل ابراہیم (معنوی وجسمانی دونوں طور پر) کی سکونت وقیام کے لیے کیوں ترجیح کی گئی؟۔

خالق ارباب پرتوکل

۳- تیسرے اسباب کے بجائے خالق ارباب اور رب الارباب پر توکل کی تلقین وہدایت ہے، جوان کی اس دعا سے مفہوم ہوتی ہے: ”فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ“۔ (سورۃ ابراہیم ۳۷)

ترجمہ: تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے کہ ان کی طرف جھکے رہیں، اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔

اور جوانہوں نے خود آتش نمرود میں مومنانہ ومتوکلانہ طریقہ پر داخل ہوجانے کے عمل سے ثابت کردیا کہ آگ، عناصر اربعہ اور فطری وتکوینی طاقتیں مامور ہیں آمر نہیں، ان کو خود اپنا خاصہ ظاہر کرنے اور اپنا عمل کرنے کا اختیار نہیں، چنانچہ وہ آگ ان کے حق میں بردوسلامتی بن گئی۔ ”قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ“ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ سرد ہوجا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی بن جا۔ (سورۃ الانبیاء ۶۹)

بلدامین کے رہنے والوں کا امتیاز اورفخر

اہل مکہ اور ساکنان حرم کو ان تینوں خصوصیتوں کو اپنے سینے سے لگائے رکھنا اور اپنا دائمی

شعار بنانا ضروری اور مطلوب ہے، اس لیے کہ اس شہر کو ”البلد الأمین“ کہا گیا ہے، اس کی خصوصیات، اس کا مزاج، اس کی فطرت زمانہ کے ہزاروں انقلابات، حکومتوں کے عروج وزوال تمدن وترقی کے تنوعات واختلافات کے ساتھ یہی رہنا چاہئے، پھر میں نے تاریخ کی روشنی میں اور محققین ومستشرقین کے حوالہ سے بتایا، نیز حدیث صحیح کی سند سے بھی جس میں کہا گیا ہے کہ اس شہر وملک میں بت پرستی لانے والا عمرو بن لحی تھا، جو عرب کے باہر سے بت پرستی لے کر آیا، اور اس نے اس کو رواج دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوا چل رہا ہے، محققین اور فضلائے مغرب کی بھی تحقیق یہی ہے کہ مکہ اور طائف کے مشہور بت، ہبل، لات، مناۃ اور عزی اردن کے شہر ”پترا“ (Petra) اور عراق واردن سے درآمد (Import) کئے گئے، یہ اس سرزمین بلدامین کی چیز نہیں تھی اور فتح مکہ میں بیت اللہ اور حرم کے ان بتوں سے خالی کردئے جانے اور مکہ وطائف کو بتوں سے پاک کئے جانے کے بعد پھر یہ سرزمین اساس ابراہیمی پر آگئی اور حدیث میں بشارت آگئی کہ آئندہ بھی یہ سرزمین عرب کھلی ہوئی بت پرستی سے پاک رہے گی ”أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَبَدًا“ اس سرزمین کے بلد امین ہونے کی صفت اور دعوت ابراہیمی کے علمبردار اور داعی ومبلغ ہونے کی خصوصیت ہمیشہ باقی رکھنی چاہئے کہ یہی اس سرزمین کا شرف اور یہاں کے رہنے والوں کا امتیاز اور فخر ہے۔ (کاروان زندگی حصہ سوم صفحہ ۲۹۵/تا ۲۹۸)

اسلام کی وکالت قابل مواخذہ جرم

اس صدی سے قبل غیر ملکوں میں بھی اسلامی طور وطریق کو نشانہ بنا کر کارروائی نہیں ہوئی تھی اور اب غیر مسلم ملک تو بڑی چیز ہے بعض اسلامی ملکوں میں بھی اسلام کی کھل کر وکالت قابل مواخذہ جرم سمجھا جانے لگا۔

نوجوان نسل میں بیداری

لیکن اس سب کے باوجود خوش آئند بات یہ ہے کہ پہلے اسلامی حمیت اور دین کا شوق صرف بڑی عمر کے مسلمانوں میں پایا جاتا تھا اور نوجوان نسل اپنے کو اس سے الگ رکھتی تھی اور اپنی عمر کے تقاضہ کے مطابق ہی دلچسپی رکھتی تھی، اب یہ ایک بات نئی پیدا ہوئی ہے کہ اسلام اور اسلامیت کی حمیت نوجوان نسل کے لوگوں میں بھی خاصی نظر آ رہی ہے بلکہ ان کی عمر کے تقاضہ کے مطابق جوش وہمت اور قربانی کے جذبات کے ساتھ ان میں یہ رجحان بڑھ رہا ہے، اس لیے جہاں جہاں اسلامیت کو دبانے اور روکنے کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہاں ایک مقابلہ اور ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ زندگی کا ایک فطری عمل ہے اور زندگی کی باعزت بقا کے لیے اور حق بات کو اس کا حق دلانے کے لیے ضروری ہے۔

کچھ مستبعد نہیں کہ یہ صدی اسلامی صدی کہلائے

اسلام کے آغاز کی تاریخ دیکھی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کی دعوت وحمایت کے لیے جذبہ وہمت وقربانی میں نوجوانوں کا عنصر پیش پیش تھا اور ایسے معاملات میں اسلام کا طریقہ ہر مذہب اور ہر دعوت سے مختلف رہا ہے، رسول اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے داعیوں کو یہ سکھایا ہے کہ اپنی بات زور دستی اور جبر سے نہیں بلکہ ہمدردی، خیر خواہی اور محبت سے پیش کریں اور اس راہ میں اگر ان کے ساتھ سختی ہو تو اس کو آخرت میں حصول اجر کی خاطر گوارہ کریں اور انصاف وحق پرستی کے ساتھ سختی کا مقابلہ کریں۔

یہی وجہ ہے کہ ان ساری کوششوں کے باوجود جو اسلامی رجحان اور مقام کو دبانے اور کچلنے کے لیے دنیا کے مختلف خطوں میں کی جا رہی ہیں اسلام کی دعوت پھیل رہی ہے اور

لوگ اس کو سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کو جستہ جستہ قبول بھی کرتے ہیں، یہ بہت خوش آئند بات ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ سمجھنے کی بھی بات ہے کہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں تکلیف اٹھانا اور تکلیف کے باوجود حق کا پیغام صبر ورضا کے ساتھ پہنچانا اسلام کی قوت وترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام کو اس سے ہمیشہ ترقی ہوئی ہے اور آئندہ بھی اسی کا اندازہ اور توقع ہے اور کچھ مستبعد نہیں ہے کہ یہ صدی اسلامی صدی کہلائے۔